دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ • پھلواری شریف پٹنہ

جنوری - فروری - مارچ 2025ء

ISSN 2320-8600

سہ ماہی مجلہ

المجیب

پھلواری شریف پٹنہ

مدیر

ڈاکٹر شاہ فتح اللہ قادری

دارالعلوم مجیبیہ خانقاہ پھلواری شریف پٹنہ (بہار)

DARUL ULOOM MUJEEBIA KHANQUAH

Phulwari Sharif, Patna-801505, Bihar (INDIA) Mob.: +91-9942000718, 0612-3158542

دارالعلوم مجیبیہ، پھلواری شریف کے اکابر بزرگوں اور اولیاء اللہ کی یادگار اور ہندوستان کی قدیم درسگاہ ہے۔ اس کی علمی خدمات ساڑھے تین صدیوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ یہ دارالعلوم اپنے سن قیام ۱۱۲۵ھ سے لے کر آج تک تواتر و تسلسل کے ساتھ علوم اسلامی کی ترویج و اشاعت میں لگا ہوا ہے اور الحمدللہ کسی دور میں تعلیم و تدریس کا سلسلہ موقوف نہیں ہوا۔ ابتدائی فارسی درجات سے لے کر عربی کے آخری درجات، دورۂ حدیث تک یہاں تعلیم دی جاتی ہے — اور قرآن کریم کے حفظ و قرآت کی تعلیم معیاری طریقے پر ہوتی ہے۔ بچوں کے لئے اردو، ناظرۂ قرآن اور عصری تعلیم کا بھی انتظام ہے۔ تمام بیرونی طلبہ کے لئے قیام و طعام، کتابیں اور دیگر سہولیات کا اہتمام دارالعلوم مجیبیہ کی طرف سے مفت کیا جاتا ہے۔

اسلئے اہل خیر حضرات سے دردمندانہ اپیل ہے کہ صدقات، زکوٰۃ، عطیات اور دیگر مواقع پر دارالعلوم مجیبیہ کو فراموش نہ کریں۔ مالی امداد پہنچا کر عنداللہ ماجور و مثاب ہوں۔ یہ قدیم درس گاہ آپ کے تعاون کی مستحق ہے۔

چیک یا ڈرافٹ پر صرف "DARUL ULOOM MOJIBIA" لکھیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
هو العفو ذو المجيب و ولي النعم

اہل حق کا ترجمان اور امن وسلامتی کا پیامبر

سہ ماہی

المُجیب

پھلواری شریف پٹنہ

دینی، علمی و ادبی مجلہ

ماہ : شعبان المعظم — شوال المکرم ۱۴۴۶ھ

ماہ : جنوری — مارچ ۲۰۲۵ء

مدیر : ڈاکٹر شاہ فتح اللہ قادری

نائب مدیر : ظفر حسنین

جلد نمبر ۶۵ ✦ شمارہ نمبر ۱

زر تعاون

فی شمارہ	:	-/80 روپے
سالانہ	:	-/320 روپے
رجسٹری ڈاک	:	-/530 روپے
بیرونی ممالک	:	-/25$ امریکی ڈالر

مجلس ادارت

مولانا شاہ بدر احمد مجیبی

مولانا محمد منہاج الدین مجیبی

پروفیسر حافظ فضل کبریا صدیقی

پروفیسر سید محمد اسد علی خورشید

محمد فصیح الدین عاصم قادری زینبی

سرکولیشن منیجر : سید صہیب رضوی

مراسلت و ترسیل زر کا پتہ

رابطہ : 9835654330 -91+

منیجر "المجیب" دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ (بہار)

E-mail : almujeebquarterly@gmail.com, Website : http://khanquahmujeebia.org

Cell No. : +91-9942000618, 0612-3181835

فہرست مضامین

• **لمعات**	ظفر حسنین	۳

مضامین ومقالات

• فضیلت وکرامت والی رات	حضرت مولانا سید شاہ عون احمد قادریؒ	۵
• تصوف اور صوفیہ کے خلاف اعتراضات کا علمی جائزہ	حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادریؒ	۱۱
• حضرت وصی پھلواروی حیات اور شاعری	حضرت مولانا سید شاہ وجہ اللہ قادریؒ	۳۹
• کتاب ''بہار میں اردو ادب کا ابتدائی زمانہ'' ایک تنقیدی جائزہ	مولانا شاہ بدر احمد مجیبی	۴۵
• آہ! کرب وبلا کے وہ پندرہ مہینے	سید محمد نیر رضوی	۷۱
• احکام اسلامی	مولانا شاہ بدر احمد مجیبی	۷۶
• نقد وتبصرہ	ادارہ	۷۹

ادبیات

• قند پارسی	حضرت مولانا حافظ شاہ شہاب الدین ثاقب قادریؒ	۸۲
• نعت شریف (ترجمۂ منظوم)	مولانا سید محمد فصیح الدین عاصم قادری	۸۳
• غزل	وارث ریاضی	۸۴
• **کوائف وحالات**	ادارہ	۸۵

لمعات

• ظفر حسنین

اللہ تعالی کا فضل و کرم ہے کہ رمضان کا مبارک مہینہ ہم پر سایہ فگن ہے، ایک بار پھر رحمت و برکت والے اس مہینے سے ہم لوگ بقدر ظرف فیضیاب ہو رہے ہیں ۔ یہ مہینہ اللہ تعالی کی طرف سے اہل ایمان کے لئے رحمتوں اور برکتوں کی سوغات لے کر آتا ہے ۔اس مقدس مہینے میں مسلمان کی زندگی کا انداز بدل جاتا ہے، وہ برے اور خراب کاموں سے خود ہی کنارہ کش ہو جاتا ہے، روزہ کے ساتھ تراویح، نماز باجماعت کی پابندی اور عبادت کے شوق کا اثر نمایاں ہونے لگتا ہے ۔قرآن کریم سے شغف بڑھ جاتا ہے اور بکثرت تلاوت کی طرف دل مائل ہوتا ہے ۔ یہ سب رحمت الہی کے آثار ہیں ۔اللہ تعالی کی طرف سے انوار و برکات کا نزول ہوتا ہے ۔گنہگاروں کی مغفرت ہوتی ہے ۔صالحین اور نیک لوگوں کے درجات بڑھا دئے جاتے ہیں ۔

اس مہینہ میں ایک ایسی مقدس و مبارک رات ہے جس کو قرآن نے ہزار مہینے سے افضل و بہتر بتایا ہے ۔جس میں اللہ تعالی کے حکم سے فرشتے نازل ہوتے ہیں اور اہل ایمان کی سلامتی اور ان پر رحمت و مغفرت کی دعا کرتے ہیں ۔اس مبارک مہینے اور اس تقدس و برکت والی شب میں ہمیں بھی عبادت و ریاضت کرنی چاہئے، دن میں روزہ و تلاوت اور شب میں تراویح و تہجد کا پورا اہتمام کرنا چاہئے ۔تضرع و زاری سے اللہ تعالی کی بارگاہ میں دست دعا دراز کرنا چاہئے ۔کیا پتہ جو موقع اللہ تعالی نے اس سال ہمیں نصیب فرمایا ہے آئندہ ملے یا نہیں ملے ۔کتنے ایسے لوگ ہیں جو پچھلے سال باحیات تھے، اس سال نہیں ہیں اور کتنے ایسے لوگ ہوں گے جو اس سال موجود ہیں آئندہ نہیں رہیں گے، اس لئے اپنی مغفرت کے لئے، جہنم سے خلاصی کے لئے گڑگڑا کر خوب دعا کرنی چاہئے ۔اللہ تعالی ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے ۔

....

اہل اسلام پر ہند میں بہت نازک دور آیا ہوا ہے ۔ساری فرقہ پرست طاقتیں متحد ہو کر اہل ایمان پر یلغار کے لئے تیار ہیں ۔سب سے بڑا مسئلہ اوقاف کا سامنے ہے ۔مسلمانوں اور اپوزیشن کی پوری مخالفت کے باوجود حکومت وقف ترمیمی بل کو ظالمانہ طور سے نافذ کرنے جا رہی ہے ۔اپوزیشن کی مخالفت کی وجہ سے جو کمیٹی بنی تھی، اس کے چیرمین نے مسلمانوں اور اپوزیشن

کی مخالفت کی پروا نہ کرتے ہوئے بل کی حمایت میں اپنی رپورٹ پارلیامنٹ میں پیش کر دی ہے۔ پارلیامنٹ میں اپوزیشن نے زبردست ہنگامہ کیا اور کہا کہ ان کے تمام اعتراضات اور نکات کو حذف کر دیا گیا ہے۔ اس مسئلہ پر اپوزیشن نے ایوان سے واک آؤٹ بھی کیا مگر حکومت کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ وہ اس کو دونوں ایوان سے اپنی عددی طاقت کی بنیاد پر منظور کرانے کی کوشش میں لگی ہے۔

دوسری طرف تمام مسلم تنظیموں نے اس وقف ترمیمی بل کی شدید مخالفت کی ہے اور اس کو مسلمانوں پر ظلم و جبر سے تعبیر کیا ہے۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ اور جمعیۃ علمائے ہند نے اس بل کے خلاف قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے ملک گیر مہم چلانے کا اعلان کیا ہے۔ ایسا کرنا ضروری بھی ہے کیونکہ یہ بل صرف مسلمانوں کے خلاف ہے، دوسرے مذاہب میں بھی اس طرح کے بورڈ موجود ہیں جو اپنی دھارمک جائیدادوں اور اراضی کی حفاظت کرتے ہیں، ان کے دوسروں کے قبضہ میں جانے سے روکتے ہیں۔ جیسے ہندو، سکھ، عیسائی، جین، بدھ وغیرہ دھرموں میں بھی ایسے بورڈ موجود ہیں مگر ان کے لئے کوئی ترمیمی بل نہیں بنتا، صرف مسلمانوں کے ساتھ یہ ظلم و جبر کیا جا رہا ہے۔

....

فرقہ پرست طاقتوں کی طرف سے مسلمانوں پر دوسرا حملہ اتراکھنڈ کی فرقہ پرست حکومت کی طرف سے اتراکھنڈ میں یکساں سول کوڈ کو نافذ کرنا ہے۔ یکساں سول کوڈ ہماری شریعت، ہمارے تہذیب و تمدن، ہمارے رسم و رواج کے خلاف ایک بڑی سازش ہے۔ یکساں سول کوڈ تو تمام مذاہب کے خلاف ہے۔ اس لئے تمام مذہب کے لوگوں کو ساتھ لے کر جدوجہد کرنا چاہئے۔ اتراکھنڈ کے بعد اب گجرات نے بھی اس کا عندیہ دیا ہے اور اس پر ایک کمیٹی بنا دی ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ دستور کے اعتبار سے کسی ریاستی حکومت کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ خود سے اپنی ریاست میں یکساں سول کوڈ نافذ کرنے لگے۔ دستور کے اعتبار سے یہ صرف مرکزی حکومت کو اختیار ہے کہ تمام باشندگان کی رضامندی سے ایسا کرے۔ اس لئے جمعیۃ علماء ہند نے اتراکھنڈ عدالت میں اس کو چیلنج کر دیا ہے کہ ریاستی حکومت کو اس کے نافذ کرنے کا اختیار نہیں ہے۔

....

سپریم کورٹ کے سخت حکم کے باوجود کچھ ریاستی حکومتیں اب بھی من مانی کر کے مسلمانوں کے مکانات اور کچھ مسجد پر بلڈوزر چلوا رہی ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ عدالتوں کے آرڈر کا ان پر کوئی اثر نہیں ہے۔ فرقہ پرست طاقتیں عدالتوں کو کوئی اہمیت دینے کو تیار نہیں ہیں۔ ریاستی حکومتیں اپنی من مانی کر رہی ہیں اور بظاہر سپریم کورٹ بھی ان کے سامنے عاجز آچکا ہے۔ وہ متعدد بار اس مسئلہ میں سخت آرڈر دے چکا ہے۔ مگر اپنے آرڈر کی تعمیل کرانے کی اس کے پاس کوئی طاقت نہیں ہے، اندیشہ ہے کہ کہیں مسلمانوں کے صبر کا پیمانہ لبریز نہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ان جاں گسل حالات میں مسلمانوں کی حفاظت فرمائے۔

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

فضیلت وکرامت والی رات

● حضرت مولانا سید شاہ عون احمد قادری پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ

اللھم صل علی سیدنا ومولانا محمد عدد نزول الملائکۃ والروح فی لیلۃ القدر قدر البرکات والسلام فیھا الی مطلع الفجر وعلی آلہ وصحبہ وبارك وسلم۔

آنکہ ناخواستہ عطا بخشد ۞ گر تو خواہش کنی چہا بخشد
بادشاہے ست، او اگر خواہد ۞ ہر دو عالم بیک گدا بخشد

خالق کائنات نے، پروردگار عالم نے اپنے بندوں پر جو نعمتیں اتاری ہیں، جو انعامات انہیں بخشے ہیں اور جو احسانات ان پر فرمائے ہیں، وہ شمار اور حدود سے باہر ہیں، مخصوص اور متعین طور پر جو نعمتیں سامنے ہیں، ان میں بعض مخصوص دنوں کی فضیلتیں اور کرامتیں اور بعض خاص راتوں کی بزرگیاں اور برکتیں ہمیں عطا ہوئی ہیں۔ خیر و برکت اور فضیلت و کرامت کے حامل دن ہوں یا راتیں، سب ہمارے لیے مستقل دولت و نعمت ہیں۔ لیکن عمومی رحمت ومغفرت والا خاص دن اور گنہگار بندوں کو نجات و رستگاری کا پیام سنانے والا مخصوص روز، عرفہ کا روز (۹؍ ذی الحجہ) ہے، جو میدان عرفات میں گزرتا ہے۔

حضرت سیدنا علی مرتضی کرم اللہ وجہہ الشریف فرماتے ہیں:

لیس فی الارض یوم اکثر عتقا فیہ من یوم عرفۃ۔

ترجمہ : روئے زمین پر اللہ تعالی کے جتنے بندے عرفہ کے روز عذاب سے نجات پا کر بخشے جاتے ہیں، اتنے کسی روز نہیں بخشے جاتے۔

تو جس طرح دنوں میں اس خاص دن کو یہ کرامت و فضیلت حاصل ہے اسی طرح تمام راتوں میں ایک مخصوص رات بھی آتی ہے، جو اپنے آغاز سے انجام تک، غروب آفتاب سے طلوع صبح تک تمام بندوں کو رحمت و مغفرت اور امن وسلامتی کا پیام سناتی ہے۔ بے شمار بندوں کی توبہ قبول ہوتی ہے اور بے حساب بخشے جاتے ہیں۔

اور وہ مبارک رات، اللہ تعالی کی کتاب میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی، شب قدر کے نام سے یاد کی گئی ہے۔ اس کی فضیلت و بزرگی میں اللہ تعالی اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتا ہے:

إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ فِى لَيْلَةِ ٱلْقَدْرِ ﴿١﴾ وَمَآ أَدْرَىٰكَ مَا لَيْلَةُ ٱلْقَدْرِ ﴿٢﴾ لَيْلَةُ ٱلْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ﴿٣﴾ تَنَزَّلُ ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ وَٱلرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ ﴿٤﴾ سَلَٰمٌ هِىَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ ٱلْفَجْرِ ﴿٥﴾

ترجمہ : بلا شبہ ہم نے قرآن کو شب قدر میں اتارا ہے اور آپ کو خبر ہے کہ شب قدر کیا چیز ہے؟ شب قدر وہ گرامی و برتر رات ہے جو ہزار مہینوں سے بھی بہتر اور افضل ہے۔ اس رات فرشتے اور روح القدس اترتے ہیں۔ اپنے پروردگار کے حکم سے، ہر امر خیر پر۔ سلامتی اور امن ہے اور اس کا سلسلہ طلوع فجر تک رہتا ہے یعنی وہ رات شام سے صبح تک سرتاسر رحمت ہی رحمت ہے۔

مخصوص برکت وفضیلت کے علاوہ اس رات کی ایک خاص تاریخی اہمیت یہ ہوئی کہ قرآن پاک کے نزول کی ابتدا اسی رات میں ہوئی اور شب قدر کتنی منزلت وقدر والی رات ہے؟ اس کی بزرگیاں اور فضیلتیں کیا ہیں؟ ان آیات میں اس کا اظہار مقصود ہے، اس لیے فرمایا گیا ہے: "وَمَآ أَدْرَىٰكَ مَا لَيْلَةُ ٱلْقَدْرِ" یعنی آپ سمجھیے کہ شب قدر کیا چیز ہے؟ اس مبارک رات کی اہمیت اور اس کی خصوصی عظمت کی طرف اس میں اشارہ ہے، اس کے بعد اس رات کی فضیلت و کرامت کو تین حصوں میں تقسیم کر کے بیان کیا گیا ہے۔

پہلی فضیلت و کرامت: شب قدر کا ہزار مہینوں سے بہتر ہونا یعنی اس رات کو نیکیوں میں، عبادت الہی میں اور اچھے کاموں میں بسر کرنا، ہزار مہینوں کی نیکیوں اور عبادتوں کی طرح ہے بلکہ اس سے بھی زائد ہے۔ خداوند قدوس کے حضور میں عبادت کا ثواب ویسے بھی کیا کم ہے کہ اب اس مبارک رات کی بدولت بشارت ملتی ہے کہ اس کی عبادتوں کا اجر وثواب ہزار گنا سے بھی زیادہ بڑھ جاتا ہے۔

چونکہ اگلی امتوں کی عمریں ہزار سال اور اس سے بھی زائد ہوتی تھیں، اس لیے ان لوگوں کو ہزار ہزار سال عبادتوں کا موقع ملتا رہا اور یہ امت مختصر عمر لے کر آئی ہے، نتیجتاً اس کی عبادتیں، اگلی امتوں کی عبادتوں سے بہت کم ہوں گی۔ یہ خلش اور یہ تاسف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو ہوا کرتا تھا، اس لیے اللہ تبارک وتعالی نے آپ کو اور آپ کی امت کو ایک مبارک رات، شب قدر کی صورت میں عطا فرمائی۔ یہ وہی تاریخی اور مقدس رات ہے جس میں نزول قرآن کا سلسلہ شروع ہوا، اس کی برکت و کرامت اتنی حاوی اور ہمہ گیر قرار دی گئی کہ ہزاروں مہینوں کی عبادتوں کے اجر وثواب کو اس ایک رات کی عبادت نے سمیٹ لیا ؏

اے آں شبے کہ تجھ پہ تصدق ہزار ماہ

دوسری فضیلت یہ ہے کہ اس رات میں رحمت کے فرشتے اور حضرت جبریل علیہ السلام پروردگار کے حکم سے مخصوص

تجلیات ربانی کے ساتھ زمین پر اترتے ہیں تاکہ عظیم الشان خیر و برکت سے اہل زمین کو مستفیض کریں ۔

صدقہ ترے کرم کا نزول ملائکہ
تیری عنایتوں کا صلہ وحی آسماں

یوں سمجھیے! کہ اس مقدس رات میں آسمان سے اترنے والے رحمت کے فرشتوں کے ہجوم کے ساتھ حضرت جبریلؑ اہل زمین کے پاس تشریف لاتے ہیں اور ان کو امن و سلامتی کا پیام سناتے ہیں ۔ باطنی حیات اور روحانی خیر و برکت کا تحفہ پیش کرتے ہیں اور عابدین و ذاکرین پر صلوۃ و سلام بھیجتے ہیں ۔ان کے لیے رحمت و مغفرت کی دعائیں کرتے ہیں ۔یہی وجہ ہے کہ اس رات میں اللہ والے اپنی عبادتوں میں بڑی لذت و حلاوت اور بہت طمانیت و سکون محسوس کرتے ہیں ۔

اے انبساط خاطر و بہجت فزائے روح
اے باعث سکینۂ قلب و سرور جاں

اور اس مبارک رات کی تیسری فضیلت یہ ہے کہ اس کی رحمت کسی خاص حصۂ شب کے ساتھ مخصوص نہیں رہتی بلکہ صبح تک برابر اس کی بارش ہوتی رہتی ہے یعنی اس شام سے صبح تک رحمت و برکت، سلامتی و امن، سکینہ و طمانیت کا سلسلہ جاری رہتا ہے، اس لیے شروع سے آخر تک یہ پوری رات مبارک و مقدس ہے ۔

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی ان آیات نے واضح طور پر بتایا کہ یہ مقدس رات ان تین طرح کی فضیلتوں کی حامل ہوتی ہے، اس لیے بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ شب قدر فضیلت و کرامت کی رات ہے، رحمت و مغفرت کی رات ہے، بخشش و عطا کی رات ہے، رستگاری و نجات کی رات ہے، انوار و تجلیات کی رات ہے، منتظر و بے قرار نگاہوں کے لیے حصول دید و یافت کی رات ہے، مضطرب اور مایوس عاشقوں کے لیے امید ملاقات کی رات ہے اور بلاشبہ پوری امت محمدیہ کے لیے فخر و مباہات کی رات ہے ۔

رات خاک کف پا اس کے سگ در کی ملی
اور کیا اس سے سوا ہوگی مباہات کی رات

اب یہ دیکھنا ہے کہ شب قدر جیسی بابرکت اور باعظمت رات کب آتی ہے؟ سال کا کوئی مہینہ یا اور کوئی تاریخ اس کے لیے متعین بھی ہے؟ تو جاننا چاہیے کہ اہل ایمان اور صاحب عرفان کے لیے اس گلشن کائنات میں بہار کا موسم ماہ مبارک رمضان ہے اور اس مہینہ کا سب سے برکت و فضیلت والا وقت اس کا آخری عشرہ ہے کیونکہ وہ ماہ مبارک کی برکتوں اور فضیلتوں کا خلاصہ اور مجموعہ ہے اور عشرۂ آخر کی خاص فضیلت اور اس کا مخصوص پیام "عتق من النار" ہے (یعنی غضب الٰہی اور عذاب آخرت سے رستگاری اور دنیوی اور اخروی ہر خوف سے نجات و امن) اس لیے اسی آخری عشرہ کی کسی مقدس رات میں وہ مبارک و مکرم گھڑی آتی ہے جس کی فضیلتوں اور برکتوں کی شرح و تفصیل کے لیے لفظ و عبارت کا دفتر ناکافی ہے ۔

لیکن اس مبارک ساعت اور فضیلت ورحمت والی گھڑی کی تعیین سے قصداً مصلحتاً بے التفاتی برتی گئی ہے تا کہ لوگ اس دولت بے بہا کی تلاش میں راتوں کی نیند قربان کریں اور پھر اس کو حاصل کر کے اس کی قدر پہچانیں۔صحیح حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ رمضان کے آخر عشرہ اور اس کی طاق راتوں میں شب قدر کو تلاش کرنا چاہیے، پھر ان طاق راتوں میں بھی ستائیسویں شب پر گمان غالب ہے۔

اکابر دین وملت کے بعض مستند حوالوں سے اس رات کے چند مشاہدات وکیفیات پیش کیے جاتے ہیں:

حضرت غوث اعظم سید محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ اپنی کتاب ’غنیۃ الطالبین‘ میں حضرت عبد اللہ بن عباس (صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم) سے روایت کرتے ہیں کہ شب قدر میں اللہ تعالی حضرت جبریلؑ کو زمین پر اترنے کا حکم دیتا ہے، اس حال میں کہ سدرۃ المنتہیٰ کے ساکنین میں سے ستر ہزار فرشتے ان کے ساتھ ہوتے ہیں، یہ سب اپنے اپنے جھنڈوں کے ساتھ زمین پر اتر کر پہلے ان جھنڈوں کو زمین کے مقدس مقامات میں نصب کرتے ہیں، اس کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام کے حکم کے مطابق تمام فرشتے روئے زمین کے مختلف حصوں میں منتشر ہو جاتے ہیں اور جس جس حصۂ زمین پر کوئی مسلم مرد یا عورت ہوتی ہے، وہاں پہنچتے ہیں اور اس وقت ان فرشتوں کا کام یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالی کی تسبیح وتقدیس کے ساتھ امت محمدیہ کے لیے دعائے مغفرت ورحمت کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ساری رات وہ اس پر عمل کر کے طلوع فجر کے بعد، آسمان کی طرف صعود کرتے ہیں، اس وقت آسمان والے فرشتے ان سے پوچھتے ہیں کہ آپ لوگ کہاں سے آرہے ہیں؟ اور کیا خبر لائے ہیں؟ تو یہ ان کو بتاتے ہیں کہ ہم دنیا سے آرہے ہیں۔آج کی رات امت محمدیہ کے لیے شب قدر تھی اور خبر یہ ہے کہ اللہ تعالی نے امت محمدیہ میں صالحین وابرار کی مغفرت فرمائی اور عاصیان امت کے بارے میں صالحین امت کو شفاعت وسفارش کرنے کا حق عنایت فرمایا۔ چنانچہ آسمان کے تمام فرشتے یہ سن کر پروردگار کی تسبیح وتقدیس کرنے لگتے ہیں اور امت محمدیہ کے ساتھ مغفرت ورحمت کا جو خاص معاملہ کیا گیا، اس پر شکر ادا کرتے ہوئے اظہار مسرت کرتے ہیں۔اسی طرح یہ خبر آسمان کے تمام طبقات میں پھیلتی ہوئی اور وہاں کے ملائکہ کو شریک مسرت کرتی ہوئی عرش مقدس تک پہنچتی ہے اور ملأ اعلی میں بھی اسی طرح تسبیح وتہلیل وشکرانۂ نعمت اور مسرت وخوشی کا اظہار کیا جاتا ہے۔

تفسیر روح المعانی میں حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ شب قدر میں حضرت جبریل علیہ السلام سدرۃ المنتہیٰ کے اتنے کثیر فرشتوں کے ساتھ زمین پر آتے ہیں کہ ان تمام فرشتوں کی صحیح تعداد سوائے اللہ تعالی کے کوئی نہیں جانتا۔حضرت جبریل علیہ السلام اس رات نیچے آکر زمین والوں سے مصافحہ کرتے ہیں۔ ہر مسلم مرد وعورت کو سلام کرتے ہیں۔اس کی علامت یہ ہے کہ جس سے وہ مصافحہ فرماتے ہیں، اس کے قلب میں رقت وگداز پیدا ہوتی ہے، آنکھیں اشک آلود ہو جاتی ہیں اور بدن کانپ جاتا ہے۔

صاحب تفسیر روح المعانی ایک دوسری روایت کرتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام شب قدر میں جب رحمت و برکت لے کر نازل ہوتے ہیں تو اس کی تقسیم یوں کرتے ہیں کہ پہلے ان تمام مسلمانوں کو جو زندہ و باحیات ہیں، عطا فرماتے ہیں۔ اس کے بعد حکم خداوندی ہوتا ہے کہ امت محمدیہ کے ان تمام مردوں پر جو دنیا سے رحلت کر چکے ہیں، تقسیم کرو۔ آخر میں حکم خداوندی ہوتا ہے کہ جو بندے اب تک ایمان نہیں لائے ہیں، غیر مسلم اور کافر ہیں، ان کو عطا کرو۔ چنانچہ اس پر عمل کیا جاتا ہے اور اس کی برکت یہ ہوتی ہے کہ جن غیر مسلموں کو اس رحمت خاص میں سے کچھ مل جاتا ہے، وہ آخر وقت تک اسلام قبول کر لیتے ہیں اور ان کا خاتمہ ایمان پر ہوتا ہے۔

یہاں تک تو اس مبارک و مقدس رات کی بخشش و عطا، رحمت و مغفرت، فضیلت و کرامت کی باتیں ہوئیں۔ ہمیں اور آپ کو اس رات میں کیا کرنا چاہیے؟ اسے بھی دیکھیے:

ترمذی، ابن ماجہ اور حدیث کی دوسری کتابوں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! جب ہم شب قدر کو پائیں تو کیا پڑھیں؟ فرمایا گیا کہ یہ پڑھو:

اللھم انك عفو کریم تحب العفو فاعف عني۔

ترجمہ : اے اللہ تو معاف کرنے والا، بزرگ ترین ہے، عفو و مغفرت کو تو پسند کرتا ہے، میری خطاؤں کو بھی معاف فرمادے۔ آمین۔

صحیح مسلم اور صحاح کی دوسری کتابوں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخر عشرہ کی طاق راتوں میں جتنی عبادت کرتے اور نمازیں پڑھتے اتنا اور کبھی نہیں کرتے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ رمضان کا آخر عشرہ شروع ہوتا تو آپ عبادتوں کے لیے کمر کس کر تیار ہو جاتے۔ ان راتوں میں خود بھی مشغول عبادت رہتے اور اپنے گھر والوں کو بھی عبادت کے لیے بیدار فرماتے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

ان احادیث نبویہ سے ہمیں اور آپ کو یہ ہدایت ملتی ہے کہ رمضان کے آخر عشرہ بالخصوص اس کی طاق راتوں کو جاگ کر کاٹیں، عبادات اور نمازوں میں مشغول رہیں اور خاص کر شب قدر میں یہ دعا پڑھیں:

اللھم انك عفو کریم تحب العفو فاعف عني۔

شب قدر جیسی بابرکت و عظمت رات میں ذوق عبودیت اور اپنے خالق و مالک سے وصال ولقا کا جذبہ ہم مسلمانوں کے دلوں میں پوری طرح ابھر جانا چاہیے۔ اگر ایک طرف عبادت گزار بندوں کا جذبہ شوق عروج کمال پر ہو، تو دوسری جانب اللہ کی طرف سے غفلت میں پڑے ہوئے بندوں کا احساس ندامت بھی عروج پر پہنچ کر متبرک مہینہ کے ان آخری لمحات اور مبارک ساعتوں میں انہیں عبادت کی طرف جھکنے پر مجبور کر دے۔

خود اس رات کی فضیلت و کرامت اور عام رحمت ومغفرت کا تقاضا اور مطالبہ ہے کہ اس کو یاد الٰہی میں پوری دلجمعی کے ساتھ بسر کیا جائے اور اپنے خطاؤں، گناہوں اور جملہ تقصیرات کی معافی ومغفرت کی درخواست پوری الحاح وزاری کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں پیش کی جائے۔ یاد الٰہی میں گریہ وبکا اور عفو ومغفرت کی درخواست کے ساتھ ندامت کے آنسو، قبولیت اور بخشائش کی خاص علامتیں ہیں۔

حقیقت میں ''مرد خوش اوقات'' کہے جانے کا مستحق وہی ہے جو اس مبارک رات کو اسی جذبہ اور ذوق وشوق کے ساتھ گزارے۔

رات ہے رات تو بس ''مرد خوش اوقات'' کی رات
گریۂ شوق کی اور ذوق مناجات کی رات
گریۂ غم ہے کہ ساون کی جھڑی تا دم صبح
کوئی موسم ہو، یہاں رہتی ہے برسات کی رات

رحمت وسلام کا تحفہ پیش کرنے والی اس رات کے طفیل میں پروردگار عالم کے حضور میں سکون وطمانیت کی دعا کیجئے، امن وسلامتی کی درخواست کیجئے: اپنے لیے، اپنے گھر والوں کے لیے، سارے مسلمانوں کے لیے، جملہ امت محمدیہ کے لیے، بلکہ ساری دنیا کے لیے اور اللہ کے تمام بندوں کے لیے اور یہ کہئے کہ اے پروردگار! ہم گنہگار وخطاکار ہیں اور تیرے کرم کے امیدوار ہیں ع

''کہ مستحق کرامت گناہگار انند''

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

اپیل

مضمون نگاروں سے اپیل ہے کہ ''المجیب'' میں اشاعت کے لئے مسودہ کی اصل کاپی بھیجیں۔ عکسی کاپی ناقابل اشاعت ہوگی۔

منیجر

سہ ماہی ''المجیب'' پھلواری شریف، پٹنہ

(۴)

تصوف اور صوفیہ کے خلاف
اعتراضات کا علمی جائزہ

● حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمہ اللہ

صوفیہ پر ذکر و فکر میں تفریق کا الزام ثابت کرنے میں اعظمی صاحب ناکام رہے، اس کے بعد انہوں نے ''محاسن اخلاق میں تفریق'' کا عنوان قائم کیا ہے، قارئین کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ اب تک انہوں نے تصوف اور اہل تصوف کے خلاف جو کچھ لکھا ہے وہ محض مخالفت برائے مخالفت ہے، اس میں ان کی مسلکی عصبیت کام کر رہی ہے، ان کے الزام میں وزن نہیں، خواہ مخواہ کے الزامات ہیں، زیر نظر عنوان بھی اسی قسم کا ہے، اس میں وہ لکھتے ہیں:

''صوفیہ نے اسلام کی اخلاقی تعلیمات میں بھی تفریق کی ہے، قرآن میں اخلاقی محاسن کا ذکر متعدد صورتوں میں ہوا ہے اور اس میں کافی تنوع ہے، اگر ایک طرف عفو و درگزر، تواضع و خاکساری، عفت، حیا، توکل، رضا، شکر، قناعت اور حلم جیسے اہم اخلاقی اوصاف کو بہ تکرار بیان کیا گیا ہے، تو دوسری طرف ارادے کی مضبوطی، بلند ہمتی، اولوالعزمی، استقلال و ثابت قدمی (صبر) راہ خدا میں جہاد، کسب معاش میں جدو جہد، انفاق میں اعتدال، حق گوئی، خودداری اور ظالم کے خلاف نبرد آزمائی جیسی اعلی اخلاقی تعلیمات بھی موجود ہیں۔

صوفیہ نے ان اخلاقی تعلیمات میں سے صرف اول الذکر تعلیم کو لیا اور موخر الذکر تعلیم کو چھوڑ دیا کیونکہ وہ ان کے مزاج اور راہبانہ تصور زندگی کے خلاف ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں راہ خدا میں جہاد کے بجائے چلہ کشی اور مراقبہ کو ترجیح حاصل ہے، اس سے بھی بڑھ کر یہ ہوا کہ جو چیزیں اسلام کے تصور اخلاق میں ناپسندیدہ ہیں ان کو محمود قرار دیا، مثلاً اسلام میں افلاس کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا گیا ہے، جیسا کہ درج ذیل آیت سے ظاہر ہے۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ۝۲۹ ــــ(الاسراء)

تم نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے باندھ لو اور نہ ہی اس کو بالکل کھول دو (یعنی فضول خرچی کرو) کہ ملامت زدہ اور تہی دست ہو کر بیٹھ رہو۔

لیکن صوفیہ نے افلاس کی ستائش کی ہے، ان کے یہاں ترک معاش اولی اور کسب معاش توکل کے خلاف ہے“

اولاً تو اعظمی صاحب نے محاسن اخلاق کا جو معجون مرکب تیار کیا ہے وہ کسی صاحب فہم کو مشکل سے ہضم ہوگا کیونکہ ارادے کی مضبوطی، بلند ہمتی، اولو العزمی، استقلال و ثابت قدمی اور خودداری جیسی صفات بذات خود محاسن اخلاق کے دائرے میں نہیں آتیں اور نہ فی نفسہ قابل تعریف ہیں، جب تک کہ کار خیر کے لیے نہ ہوں، ایک غیر مسلم کفر پر ثابت قدم رہ سکتا ہے اور اسلام کو نقصان پہنچانے میں اس کے ارادے مضبوط ہو سکتے ہیں، خودداری جس کا دوسرا نام غیرت ہے، دوسری قوموں میں بھی پائی جاتی ہے، یہ سب محاسن اخلاق کی تکمیل کرنے والی صفات ہیں، مثلاً دشمن سے عفو و درگزر کے لیے بلند ہمت ہونا ضروری ہے، جس کی ہمت عالی نہ ہو وہ دشمن تو کجا؟ دوست کو بھی معاف نہیں کرے گا، پاک دامن رہنے اور محارم الٰہی سے دل و نگاہ کو بچا کر رکھنے کے لیے ارادے کا مضبوط ہونا ضروری ہے، اولو العزم لوگ جب اپنی اولو العزمی کو دین و ملت کے لیے استعمال کرتے ہیں تو بڑے بڑے انقلابات رونما ہوتے ہیں، آدمی خوددار نہ ہو تو توکل علی اللہ پر قائم نہیں رہ سکتا، گداگروں کے اندر خودداری کی صفت پیدا ہو جائے تو دنیا سے گداگری ختم ہو جائے گی ”فقیر خدا مست“ اپنی غیرت اور خودداری کی بنا پر کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتا، مزاج میں استقلال نہ ہو تو آدمی مہمات امور تو کجا؟ زندگی کا کوئی کام سلیقے سے نہیں کر سکتا، ثابت قدمی کے بغیر میدان جنگ میں کوئی مجاہد نہیں ٹھہر سکتا۔ اعظمی صاحب نے حسب عادت مضمون و مفہوم میں خلط ملط کیا ہے، یا وہ سمجھ نہیں پاتے کہ ان کو کیا لکھنا چاہیے، انہوں نے راہ خدا میں جہاد کو بھی اخلاقیات میں شمار کر لیا، قناعت کو اول الذکر تعلیم اخلاق میں شمار کیا اور انفاق میں اعتدال کو موخر الذکر صفات میں، جبکہ قناعت اور انفاق میں اعتدال ایک دوسرے کا لازمہ ہے، دونوں الگ الگ صفات نہیں ہیں۔

اگر اعظمی صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ صوفیہ نے ان دوسرے امور میں حصہ نہیں لیا تو وہ غلط سمجھتے ہیں، تصوف کی کتابوں کے مطالعہ کے بعد بھی وہ یہ الزام لگاتے ہیں تو یہ ان کا تعصب ہے، کتنے واقعات بیان کیے جائیں، صوفیا نے جہاد بالسیف بھی کیا اور علاقے فتح کیے، مسلمان بادشاہوں کو ان کی غیر شرعی حرکات پر برسر منبر ٹوکنا، کم ہمتی کی بات ہے؟ سیدنا عبد القادر جیلانی کے حالات ملاحظہ کر لیں، وہ عباسی خلفا پر کڑی تنقید فرماتے تھے، کیا اس کا شمار حق گوئی میں نہیں ہے؟ ارشاد نبوی ”افضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر“ کی اور کیا عملی تفسیر ہو سکتی ہے؟ اس طرح کے ایک ہی نہیں بے شمار واقعات ہیں۔ عباسی خلیفہ

ہارون رشید ملنے کے لیے آیا تو مشہور صوفی فضیل بن عیاض نے اس کو رعایا کے ساتھ نیک سلوک کی ترغیب دی، سفیان ثوری نے خلیفہ ابو جعفر منصور کو منی میں اس کے سفرحج کی فضول خرچی پر ٹوکا، ملک شاہ سلجوقی کے شاہانہ کروفر کو دیکھ کر امام غزالی نے اس کو مخاطب کر کے فرمایا تھا: افسوس مسلمانوں کی گردنیں مصیبت اور تکلیف سے ٹوٹی جاتی ہیں اور تیرے گھوڑوں کی گردنیں طوقہائے زریں کے بار سے۔

شیخ برہان الدین غریب کے خلیفہ شیخ زین الدین نے والیٔ دکن سلطان محمد بہمنی کو منہیات شرعیہ کا مرتکب پا کر اس کی دعوت اور اس کے پاس جانے سے انکار کیا اور اس بے باکی کے ساتھ وعظ ونصیحت بھرا خط لکھا کہ بادشاہ نے غصے میں ان کو شہر سے نکل جانے کا حکم دے دیا، وہ شہر سے نکل گئے، بعد میں جب بادشاہ کو ندامت ہوئی تو اس نے معذرت کی، شیخ نے اپنی ناراضگی دور ہونے کے لیے شرط رکھی کہ بادشاہ ممالک محروسہ سے شراب خانے یک قلم اٹھالے اور اپنے باپ کے طریقے کے مطابق نہی عن المنکر اور امر بالمعروف کی سعی کرے، بادشاہ نے شرط منظور کرلی۔

حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی نے فیروز شاہ تغلق کے تخت نشینی کے وقت اس سے وعدہ لیا تھا کہ وہ رعایا کے ساتھ عدل وانصاف کرے گا۔

شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے پوتے شاہ رکن عالم ملتانی نے ایک موقع پر بادشاہ کو مسلمانوں کا خون بہانے سے روکا، جب کشلو خان نے سلطان محمد تغلق کے خلاف بغاوت کی اور بغاوت کچل دی گئی، لیکن بادشاہ نے اس کا بدلہ لینے کے لیے اہل ملتان کے قتل کا حکم نافذ کر دیا، شاہ رکن عالم ملتانی کو معلوم ہوا تو انہوں نے خود بادشاہ کے پاس جا کر اس کو اس ظالمانہ ارادہ سے روکا، نصیحت اور تنبیہ کی، اس طرح اہل ملتان کی جان بچی۔

مشہور چشتی بزرگ شیخ عبدالقدوس گنگوہی (جن کے وحدۃ الوجود پر اشعار ہیں) اپنے عہد کے حکمرانوں کو ہمیشہ عدل گستری اور قوانین شرعیہ پر عمل کرانے کی تلقین فرماتے رہتے تھے، بابر جب سریر آرائے سلطنت ہوا تو اس کو بھی ایک مکتوب لکھا، جس میں اوامر ونواہی کی پابندی، اقامت صلاۃ اور شرع محمدی کے نفاذ کی تلقین فرمائی۔

مشہور قادری سہروردی بزرگ شیخ نور الدین مبارک غزنوی، عہد التمش میں شیخ الاسلام کے عہدے پر فائز تھے مگر بھرے دربار میں آزادانہ تنقید کرتے تھے۔ ان واقعات کے لیے یہ کتابیں دیکھئے:

تاریخ مشائخ چشت، تاریخ دعوت وعزیمت، آب کوثر، رود کوثر، مخدوم جہانیان جہاں گشت، تذکرہ مشائخ نقشبندیہ۔

مجدد الف ثانی کی دینی خدمات اور شریعت کے معاملے میں بادشاہ وقت سے ٹکر لینے کے واقعات مشہور ہیں، یہ سب باتیں اس کو بتائی جائیں جو نہیں جانتا ہے، اعظمی صاحب سب کچھ جانتے ہیں، لیکن صوفیہ سے ان کا بغض وعناد، ان کو اعتراف

حقیقت سے روکتا ہے، تصوف اور اہل تصوف سے بیزاری ان کا مسلک ہے، ان کی مصیبت یہ ہے کہ وہ ان حقائق کو تسلیم کر لیں تو ان کے مسلک ومشرب کی عمارت زمیں بوس ہو جائے گی، ان کے خود ساختہ مذہب کی بنیادیں تار عنکبوت ہیں، کید ومکر، فریب و مغالطہ انگیزی اس کو کب تک سنبھال سکتی ہے، شجرۃ خبیثۃ اجتثت من فوق الارض مالھا من قرار۔

کفار ومشرکین کے درمیان رہ کر اور اپنی زندگی خطرے میں ڈال کر اسلام کی اشاعت کرنا صوفیہ کو اولو العزم، بلند ہمت، ثابت قدم اور آہنی ارادوں کا مالک ثابت کرتا ہے۔ شیخ ہجویری، سیدنا جیلانی، شیخ اسحاق گاذرونی، حضرت بو علی قلندر، خواجہ اجمیری، شیخ جلال الدین تبریزی اور ان جیسے بے شمار صوفیہ کی خدمات جلیلہ اشاعت اسلام کے سلسلے میں تاریخ میں موجود ہیں اس سے انکار کی گنجائش نہیں مگر جس کو ''ضعف بصر'' کا عارضہ ہو اس کو کون دکھائے، جس کو ''سوء فہم'' کی بیماری ہو وہ کیسے سمجھے، ''سوء ظن'' کی شکایت جن کو لاحق ہو وہ ''حسن ظن'' کی اہمیت کیا جانیں؟

اعظمی صاحب نے اپنے دعوے پر کوئی دلیل نہیں دی، ان کو بتانا چاہیے تھا کہ کن صوفیوں نے پست ہمتی دکھائی؟ کن صوفیوں نے موقع آنے پر حق کی حمایت نہیں کی، حق گوئی سے دور رہے، وہ کون سے صوفی ہیں جنہوں نے انفاق میں اعتدال نہیں کیا؟ فضول خرچی اور اسراف سے کام لیا؟ یہ بات ذہن میں رہے کہ معاشرے میں اہل حق کی نمائندگی چند ہی افراد کرتے ہیں عملاً سارے لوگ میدان میں نہیں اترتے، البتہ نمائندہ شخصیتوں کو سب کی تائید حاصل ہوتی ہے، جس جس عہد میں جن صوفیوں نے بادشاہوں کو ان کے مظالم پر متنبہ کیا، عدل وانصاف پر آمادہ کیا، قوانین شریعت کا نفاذ کرایا، اور غیر شرعی امور پر داروگیر کی وہ اپنے اپنے عہد کے تمام اہل تصوف کے نمائندہ تھے۔

اعظمی صاحب کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ صوفیوں نے ''راہ خدا میں جہاد کے بجائے مراقبہ اور چلہ کشی کو ترجیح دی'' اولاً تو یہ خلاف واقعہ ہے، ثانیاً جہاد کے لیے تلوار اٹھانا ہی کیوں ضروری ہے، ظالم کو ظلم سے روکنا، اس کے سامنے کلمۂ حق کہنا بھی جہاد ہے، اپنے حسن عمل اور اعلی اخلاق سے اسلام کی اشاعت کرنی جہاد کا مقصد ہی تو ہے، بغیر جہاد بالسیف کے صوفیہ وہی کام کرتے رہے تو ان کو جہاد نہ کرنے کا طعنہ دینا کس طرح درست ہو سکتا ہے؟ یہاں اعظمی صاحب دانستہ قارئین کی توجہ اس اصولی مسئلہ سے پھیرنا چاہتے ہیں کہ ''کسے را بہر کارے ساختہ اند'' سلطنت کے تمام لوگ میدان کے سپاہی نہیں ہوتے، کچھ لوگ اگر محاذ جنگ سنبھالتے ہیں تو کچھ لوگوں کو علم وفن کی تدریس کے لیے بھی اپنی جگہ رہنا ضروری ہے اور کچھ لوگوں کو معاشرے کی اصلاح اور لوگوں کی دینی تربیت میں مشغول رہنا بھی ضروری ہے۔ کیا قرآن کریم کی اس ہدایت سے اعظمی صاحب اور ان کے ہم مذہب اتفاق نہیں رکھتے؟ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ طَآىِٕفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ (التوبۃ: ۲۲) اور تم میں ایک جماعت ہونی چاہیے جو دین میں سمجھ بوجھ حاصل کرے اور اپنی قوم کو (عذاب نفرت) سے ڈرائے (یعنی ان کی تہذیب نفس کرے)۔

امورِ سلطنت کی انجام دہی کے لیے اراکین سلطنت کو محاذِ جنگ سے زیادہ شہر میں رہنا لازمی ہے۔اعظمی صاحب کی سطحی فکر پر حیرت ہے۔تمام لوگوں کا جنگ کے لیے نکل جانا امورِ سلطنت میں خلل وانتشار اور نقص امن کا سبب ہوگا۔اگر جہاد نہ کرنے کا الزام صوفیوں پر ہے تو یہی الزام فقہا اور محدثین پر بھی عائد ہونا چاہیے، امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل، امام شافعی جیسے ائمۂ فقہ اور صحاح ستہ کے جامعین امام بخاری، امام مسلم، امام نسائی، امام ترمذی، امام ابن ماجہ، امام ابوداؤد اور ان جیسے دیگر محدثین نے کب تلوار بدست جہاد کیا ہے۔

منکرین تصوف ذرا تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں، عباسیوں، امویوں، ترکوں، سلجوقیوں، اور خلجیوں وغیرہ کے عہد میں علما، حکما، فقہا، ائمۂ حدیث، علماء فلسفہ ومنطق کی بڑی تعداد میدان جہاد کے بجائے شہروں اور دیہاتوں میں بیٹھ کر اپنے فرائض منصبی انجام دیتی نظر آئے گی۔منکرین تصوف کے ترجمان پروفیسر اعظمی خلافت راشدہ کی تاریخ پر بھی نظر ڈالیں، کیا عہد صدیقی وفاروقی میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ لوگوں سے خالی ہو جاتا تھا؟ تمام لوگ ہمہ وقت میدان جہاد میں ہوتے تھے؟ عہد تابعین کے فقہا و محدثین زمانۂ جنگ میں بھی مسجد نبوی میں درس دیتے نظر آتے ہیں۔

افراد کار کی یہ تقسیم فطری ہے اور قرآن سے اس کی تائید ہوتی ہے، سورۂ مزمل کی آخری آیت ملاحظہ کریں:

عَلِمَ اَنۡ سَیَکُوۡنُ مِنۡکُمۡ مَّرۡضٰی ۙ وَ اٰخَرُوۡنَ یَضۡرِبُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ یَبۡتَغُوۡنَ مِنۡ فَضۡلِ اللّٰہِ ۙ وَ اٰخَرُوۡنَ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ۫ۖ فَاقۡرَءُوۡا مَا تَیَسَّرَ مِنۡہُ — (المزمل:۲۰)

اعظمی صاحب یہ بھی بتادیں کہ عباسیوں اور امویوں کے زمانے میں جتنی جنگیں ہوئیں، ان کا فائدہ کس کو ہوا؟ اسلام کو فائدہ ہوتا تو خلافت راشدہ قائم ہو جاتی، مسلمانوں کو فائدہ ہوتا تو ملک سے ظلم وستم کا خاتمہ ہوتا، فائدہ صرف حکمراں طبقے کو ہوتا رہا ہے، ان کے خزانے مال غنیمت سے بھرتے رہے، ان کی آغوش میں حسین کنیزیں آتی رہیں، ان کے عیش ونشاط کی محفلیں زیادہ بارونق ہو گئیں، جہاد تو ایک آپریشن ہے، زمین پر امن وامان قائم رکھنے اور اللہ کا قانون نافذ کرنے کی ایک صورت ہے، انسانیت کے جسم پر پیدا ہونے والے ناسور کو کاٹ کر پھینک دینے کے لیے یہ آپریشن ضروری ہے، اعظمی صاحب بتا سکتے ہیں کہ جہاد کا سلسلہ جاری رہنے کے باوجود اسلام کے صحت جسم پر جبر واستبداد اور ظلم وناانصافی کے ناسور کیوں بڑھتے رہے؟ صوفیوں کی تاریخ میں جہاد بالسیف کی کئی مثالیں موجود ہیں لیکن منکرین تصوف نے کب جہاد کیا؟ جنھوں نے تصوف کو ''چنیا بیگم'' کہہ کر اس کا استہزا کیا تھا، وہ صرف تخیل میں جہاد کرتے رہے، ان کے ہاتھ میں کبھی تلوار نہیں دیکھی گئی۔ یہاں تک کہ ''سلطنت خداداد'' کی سرزمین میں پہنچنے کے بعد بھی کوئی اسلامی قانون نافذ نہیں کرا سکے، بلکہ وہاں بھی رائے عامہ حاصل کرنے کے لیے الیکشن کا وہی طریقہ برقرار رکھا جو یہود ونصاریٰ کا رائج کردہ ہے، ہندوستان میں ووٹ دینے کو معاونت شرک کہتے تھے اور سرزمین پاکستان

میں اسی طریقۂ انتخاب اور انہی قوانین کی نفاذ کو جائز سمجھتے تھے، جو ہندوستان میں انگریز جاری کر گئے تھے۔

اعظمی صاحب محاسن اخلاق میں تفریق کا عنوان قائم کر کے صوفیہ پر الزام ثابت نہ کر سکے تو ان پر افلاس پسندی کا الزام عائد کر دیا، ان کا دعوی ہے کہ اسلام میں افلاس کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا گیا ہے، اس دعوے پر ان کو قرآن کریم سے کوئی واضح دلیل نہیں ملی تو کھینچ تان کر کے انہوں نے بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۲۹ سے کام چلانے کی کوشش کی ہے، لیکن وہ اس میں خود الجھ گئے ہیں اور اپنا موقف واضح نہیں کر سکے، آیت مذکورہ کا جو ترجمہ انہوں نے کیا ہے، اس میں ان کے اضافی جملے نے ان کے استدلال کو اور کمزور کر دیا ہے، ان کا ترجمہ یہ ہے۔

”تم نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے باندھ لو اور نہ ہی اس کو بالکل کھول دو (یعنی فضول خرچی کرو)“

اگر ہم ان کے وضاحتی جملے کو تسلیم کرلیں تو آیت کریمہ سے فضول خرچی کی مذمت ثابت ہوگی نہ کہ افلاس کی۔ اگرچہ افلاس کا ایک سبب فضول خرچی بھی ہے، لیکن انہی لوگوں کے لیے جو محدود اور بندھی ٹکی آمدنی رکھتے ہیں، فضول خرچی یقیناً ان کی معیشت کو متاثر کرے گی، لیکن وہ لوگ جن کے پاس دولت کی فراوانی ہے، آمدنی کے ذرائع وسیع ہیں، وہ افلاس تو کجا تنگی کا بھی شکار نہیں ہوتے، اعظمی صاحب آیت مذکورہ سے افلاس کی مذمت ثابت کرنا چاہتے ہیں، مگر ان کے طرز استدلال سے ثابت یہ ہو رہا ہے کہ افلاس کا ایک ہی سبب ہے فضول خرچی اور فضول خرچی کا ایک ہی نتیجہ ہے افلاس، ان کے اس نظریے سے یہ بات بھی واضح ہو رہی ہے کہ فضول خرچی قلیل آمدنی والوں کو مفلس بناتی ہے، دولت مند کی فضول خرچی افلاس کا سبب نہیں ہے، گویا دولت مند کے لیے فضول خرچی جائز ٹھہری اور غیر دولت مند کے لیے ناجائز۔ قارئین ملاحظہ کریں، یہ ہے اعظمی صاحب کے فضول اور واہی فکر کا نمونہ۔ وہ آیت قرآنی کی ایسی تعبیر وتشریح کر رہے ہیں، جو پورے حالات پر صادق نہیں آتی، یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ تعالی ایسی بات بیان فرمائے جس کا مصداق صحیح نہ ہو وہ ”فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا“ کو ”وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ“ کی علت بنا رہے ہیں اور وہ صرف متوسط طبقے کے لیے علت ہے، اہل ثروت کے لیے نہیں، اعظمی صاحب چشم بینا رکھتے ہوں تو اس کی مثالیں ان کو اپنے ارد گرد مل جائیں گی، اہل ثروت کی فضول خرچیاں جاری رہتی ہیں، پھر بھی ان کو پیسے کی تنگی نہیں ہوتی۔

اصلاً آیت مذکورہ میں نہ افلاس کی مذمت ہے نہ فضول خرچی کا ذکر، فضول خرچی کو تو تبذیر کے لفظ سے اسی سورت میں انہی آیات میں بیان کر دیا گیا ہے اور اس کی سخت مذمت کی گئی ہے، تبذیر کو شیطانی کام قرار دیا گیا ہے، فوراً ہی اس کو آیت ۲۹ میں ذکر کرنے کی ضرورت نہ تھی، اس آیت میں اللہ تعالی نے انفاق میں اعتدال کی روش اختیار کرنے کی تلقین فرمائی ہے، مال کا خرچ دنیاوی کاموں میں ہو یا دینی کاموں میں سب میں اعتدال مقصود ہے، ایسا نہ ہو کہ کسی کار خیر کے جوش میں سب مال اٹھا کر دے دے اور بعد میں تنگیٔ معیشت کی بنا پر اس کو اپنے ایثار پر پشیمانی ہو تو ایثار واخلاص کے باوجود اس کا اجر مارا جائے گا۔

اللہ تعالی یہ نہیں چاہتا کہ اس کے مخلص بندے حالات کا شکار ہو کر آئندہ ایثار و قربانی سے منہ موڑ لیں، کیونکہ زندگی کے حقائق بہت تلخ ہیں اور حالات کی سختی بڑے بڑوں کا قدم ڈگمگا دیتی ہے، ایسے مواقع میں نفس و شیطان بھی اپنا کام شروع کر دیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ بعض اصحاب کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مال و جائیداد راہ حق میں دے دینے سے منع فرمایا، اور یہی سبب ہے کہ انسانی طبیعت و مزاج کے پیش نظر رسالت مآب نے محصلین زکوۃ کو زکوۃ میں کرائم اموال الناس لینے سے روکا، ایک سخی و جواد شخص کو بھی سخاوت میں اعتدال چاہیے، ذاتی ضرورتوں میں بے اعتدالی بہت سی اخلاقی خرابیاں پیدا کرے گی۔

افلاس کے سلسلے میں مزید عرض ہے کہ ایک آدمی فضول خرچی کر کے مفلس ہو گیا، اس کا افلاس اعظمی صاحب کے نزدیک اسلام میں ناپسندیدہ ہے، لیکن دوسری طرف ایک آدمی پہلے سے ہی مفلس ہے، وہ اتنا مال جمع نہیں کر سکا جو اس کی افلاس کو دور کرے، کیا اس کا افلاس بھی اسلام میں ناپسندیدہ قرار دیا جائے گا؟ اس مفلس ہونے میں اس بیچارے کا کیا قصور؟ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ منکرین تصوف کے خرد کی گتھیاں کہاں پر الجھی ہوئی ہیں، کہ ان کی کوئی بات سلجھتی ہی نہیں ہے۔ مفلس تو اسی کو کہتے ہیں جس کے پاس فلوس نہ ہو کیا سارے مفلس کا افلاس ناپسندیدہ ٹھہرے گا؟ وہ بھی جن کو افلاس دور کرنے پر قدرت نہیں اور وہ بھی جو اپنی شامت اعمال سے مفلس ہوئے؟ افلاس ناپسندیدہ ہے تو افلاس کے حامل لوگ بھی ناپسندیدہ ہوں گے، پھر اصحاب صفہ کے بارے میں ناقد تصوف کیا کہیں گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے لوگوں کی کفالت کرتے نظر آتے ہیں، ان سب حضرات کو قوت لایموت بھی میسر نہیں تھا، ان اصحاب رسول کا افلاس ناپسندیدہ تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسجد نبوی سے نکالا کیوں نہیں؟ جس طرح دوسرے اصحاب محنت کرتے تھے یہ حضرات بھی محنت و مشقت کر کے اپنی روزی حاصل کرتے، اصحاب صفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں محبوب و مقبول تھے، آپ اپنے اہل بیت کی ضرورتوں پر اہل صفہ کی ضرورتوں کو ترجیح دیتے تھے، یہاں پر ہم ان اصحاب کے صفۂ مسجد نبوی پر رہنے کے دینی مصالح پر گفتگو نہیں کریں گے، منکرین تصوف کے نقطۂ نظر کے غلط ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اہل صفہ کے غربت و افلاس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ناپسند نہیں کیا اور اپنے باطل دعوے کے ثبوت میں اعظمی صاحب نے جو آیت کریمہ پیش کی ہے اس سے ان کا استدلال صحیح نہیں ہے، مسٹر اعظمی نے صوفیہ کے فقر کو افلاس کہہ کر اس کی تحقیر کی ہے، اس فقر و افلاس کی تحسین زبان رسالت سے کی گئی ہے، ترمذی کی ایک حدیث قارئین کے لیے چشم کشا ہوگی، منکرین تصوف کے اغماض سے حقیقت نہیں بدل سکتی۔

عن فضالۃ بن عبید ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا صلی بالناس یخر رجال من قامتهم فی الصلوۃ من الخصاصۃ وھم اصحاب الصفۃ حتی یقول الاعراب ھؤلاء مجانین اومجانون فاذا صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصرف الیھم فقال لو تعلمون مالکم عند اللہ لاحببتم ان

تزدادوا فاقة قال فضالة انا یومئذ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ هذا حدیث حسن صحیح ـــ (ترمذی، ج: ۲، ابواب الزهد باب جاء معیشة اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم)۔

ترجمہ : فضالہ بن عبید کی روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امامت فرماتے تو کچھ لوگ حالت قیام میں گر پڑتے فاقے کی کمزوری سے، اعراب کہتے ہیں کہ یہ لوگ دیوانے معلوم ہوتے ہیں، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو ان لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اگر تم لوگ جان لیتے کہ اللہ کے نزدیک تمہارے لیے کتنا اجر ہے تو اور زیادہ فاقے اور محتاجی کی خواہش کرتے، فضالہ کہتے ہیں کہ میں اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود تھا، یہ حدیث حسن وصحیح ہے۔

یہاں پر یہ بھی واضح کر دینا ضروری ہے کہ سورۂ بنی اسرائیل کی مذکورہ آیت کے مخاطب عوام ہیں ورنہ سب مال غزوۂ تبوک میں دے دینے پر "فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا" کی تفسیر صدیق اکبر ہوتے، دیکھئے سیرت رحمۃ للعالمین، ج: ۱۔

"عمر فاروق نے تمام اثاث نقد وجنس کا نصف جو کئی ہزار روپیہ تھا، پیش کیا، ابوبکر صدیق جو کچھ لائے اگر چہ وہ قیمت میں تھا مگر معلوم ہوا کہ وہ گھر میں اللہ اور رسول کی محبت کے سوا اور کچھ بھی باقی چھوڑ کر نہ آئے تھے"

کیا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ ایثار مسٹر اعظمی کے مطابق قابل ملامت ہے؟ ہرگز نہیں، ایسے ہی باقی مخلصین مقربین کے متعلق کہا گیا ہے: وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۛ (حشر: ۹)

مسٹر اعظمی اور ان کے ہم خیال مطالعہ سے اپنی معلومات میں اضافہ تو کر لیتے ہیں، لیکن رموز دین سے بے خبر رہتے ہیں، اعظمی صاحب نے اپنے نظریے کی تائید میں اقبال کا حوالہ پیش کیا ہے، حالانکہ یہ شعر بھی اقبال ہی کا ہے ؎

اگر چہ زر بھی جہاں میں ہے قاضی الحاجات
جو فقر سے ہے میسر، تو نگری سے نہیں

اس سلسلے میں شبلی کا حوالہ بے کار ہے کیونکہ وہ ان کی ذاتی اور عمومی رائے ہے، صوفیہ کے لیے صحیح نہیں، اقبال کے خیالات پر ہم آخر میں گفتگو کریں گے، گفتگو یہاں اہل حق صوفیہ سے ہے، عصر حاضر کے نام نہاد صوفیوں سے نہیں ہے، اہل حق صوفیہ نے ہر موقع پر قوت فاعلہ کا ہی اظہار کیا ہے، اس کو بیان کیا جا چکا۔

بہر حال مسٹر اعظمی نے منکرین تصوف کی ترجمانی کرتے ہوئے "محاسن اخلاق میں تفریق" کا جو الزام لگایا تھا وہ تاریخ کے حوالے سے ثابت نہ کر سکے، افلاس کی مذمت میں جو آیت کریمہ پیش کی، اس سے بھی ان کا مدعا ثابت نہ ہو سکا، مذہبی اور مسلکی اختلافات کی بنیاد پر اپنے مخالف کو برا کہنے اور تہمت لگانے کی شریعت اجازت دیتی ہے تو ہر شخص اپنے مخالف کو گالیاں دینے اور الزامات لگانے کا مجاز ہے، احتساب کا ایک دن قدرت نے مقرر کر رکھا ہے، هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا

كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ منکرین تصوف اور شاتمین صوفیہ اس دن کا انتظار کریں۔

منکرین تصوف کے ترجمان اعظمی صاحب نے صوفیہ کے ''فقر غیور''،''فقر جسور'' اور ''فقر حجازی'' کو افلاس کہہ کر اس کا استہزا کیا ہے، قرآن وحدیث میں فتنۂ افلاس کے بجائے فتنۂ دنیا اور فتنۂ مال سے بچنے کی ترغیب زیادہ ہے، مال زیادہ گمرہی اور بداخلاقی کا سبب ہوتا ہے، یہاں بات طویل ہو جاتی ہے، ورنہ قرآن کی آیات اور احادیث کے حوالے پیش کر دیے جاتے۔ ایک حدیث ملاحظہ فرمائیے:

عن کعب بن عیاض قال سمعت رسول الله صلى الله علیه وسلم ان لکل امة فتنة وفتنة امتي المال۔۔۔(ترمذی، ج: ۲، باب ماجاء ان فتنة هذه الامتی فی المال)

ترجمہ: کعب بن عیاض سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہوئے سنا، بے شک ہر امت میں ایک فتنہ ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے۔

صحیح بخاری کی حدیث ذیل بھی منکرین تصوف کی ہدایت کے لیے کافی ہوگی۔

فوالله ما الفقر اخشی علیکم ولکن اخشی علیکم ان تبسط علیکم الدنیا کما بسطت علی من کان قبلکم۔۔۔(ج: ۲، باب الحذر من زمرة الدنیا)

یعنی مجھ کو تمہارے فقیر ہو جانے سے اندیشہ نہیں مجھے ڈر اس بات کا ہے کہ تم پر دنیا غالب آجائے گی جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر غالب آگئی تھی، آگے کے الفاظ ہیں کہ دنیا تمہارے آپس میں جدال پیدا کرے گی اور تم دنیا کے پیچھے بھاگو گے اور دنیا تم کو راہ سے بھٹکائے گی۔

صوفیاء کرام نے فقر کی تائید بے وجہ نہیں کی ہے، کتاب وسنت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقۂ زندگانی کے مطالعہ کے بعد ہی وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں، ہر زمانہ میں حب دنیا اور ہوس زر نے مسلمانوں کو نقصان پہنچایا ہے، بڑی بڑی مسلم سلطنتیں اسی حب دنیا میں خاک بسر ہوگئیں، مال وزر اور تخت وتاج کی ہوس ہی تھی جس میں پڑ کر مسلم حکمرانوں نے خون ریزیاں کیں۔ کیا آج دنیا اسی فتنے میں مبتلا نہیں ہے؟ اعظمی صاحب کو کچھ نظر نہیں آتا تو اس میں اہل نظر کا کیا قصور؟ یہ حقیقت تو نصف النہار پر ہے۔ صوفیہ نے اپنے لیے فقر کو اختیار کیا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کیا، ترمذی کی حدیث کے مطابق جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اختیار دیا گیا کہ آپ چاہیں تو آپ کے لیے مکے کی کنکریوں کو سونے چاندی میں تبدیل کر دیا جائے (یعنی آپ متمول اور شاہانہ زندگی گزاریں) تو آپ نے فقر کی زندگی کو ترجیح دیا اور فرمایا ''نہیں اے رب! میں چاہتا ہوں کہ ایک دن کھاؤں اور ایک دن بھوکا رہوں تاکہ تجھے یاد رکھوں''۔۔۔(ترمذی، ج: ۲، ابواب الزہد)

اعظمی صاحب کے دعوے کے مطابق اسلام نے افلاس کو ناپسند کیا ہے، یہ مفلسی (فقر) کی کون سی قسم ہے اور وہ کون سا اسلام ہے؟ جو رسول علیہ السلام کی مرضی اور خواہش کے خلاف فقیری و مسکینی کو ناپسند قرار دیتا ہے، یہ اعظمی صاحب اور ان کے ہم مذہبوں کا خود ساختہ اور خانہ ساز مذہب ہے۔

صوفیہ کا فقر اختیاری فقر ہے، اضطراری نہیں ہے، اس فقر کی اہمیت مسٹر اعظمی کیا جانیں؟ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فقر اختیاری کا عملی نمونہ ہے جو صرف صوفیوں کے یہاں ملتا ہے، فقر اختیاری کی اہمیت حدیث ذیل میں ملاحظہ کیجئے:

عن النبی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللھم احینی مسکینا وامتنی مسکینا واحشرنی فی زمرۃ المساکین یوم القیامۃ وقالت عائشۃ: لم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال انھم یدخلون الجنۃ قبل اغنیائھم باربعین خراما یا عائشۃ لاتردی المسکین ولو بشق تمرۃ یا عائشۃ احبی المساکین وقربیھم فان اللہ یقربک یوم القیامۃ—(ترمذی، ابواب الزھد،باب ماجاء ان فقراء المھاجرین یدخلون الجنۃ قبل اغنیائھم)

صوفیوں پر سب وشتم کرتے ہوئے پروفیسر اعظمی اخلاقی حدود سے بھی تجاوز کر گئے، جس کی توقع ایک پڑھے لکھے سنجیدہ اور متین آدمی سے نہیں کی جاسکتی، ان کی اخلاقیات ملاحظہ کیجئے، رقم طراز ہیں:

''اہل تصوف کی مغالطہ انگیزی: صوفیہ اور تصوف کے حامی علما کو ہمیشہ یہ فکر دامن گیر رہتی ہے کہ کہیں عام مسلمان تصوف کی اصل حقیقت سے واقف نہ ہو جائیں اور پھر ان کی پیری مریدی کا کاروبار بند ہو جائے اور ان کو جو عزت و احترام حاصل ہے اس کا سلسلہ موقوف ہو جائے، اسی غرض سے اولیا کی کارسازی کی قصے تصنیف کیے گئے ہیں تا کہ سادہ لوح مسلمانوں کی جبین عقیدت ہمیشہ ان کے آستانہ عالیہ پر خم رہے اور ان کے مال کو ''من وسلوی'' سمجھ کر اس سے مستفید ہوتے رہیں یہ کوئی الزام نہیں حقیقت واقعہ ہے قرآن میں ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَیَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ—(التوبۃ: ۳۴)

اے ایمان والو! بہت سے عالم اور درویش لوگوں کا مال ناجائز طریقے سے کھاتے ہیں اور اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔

دیکھیں اس آیت میں اہل کتاب کے علما اور درویشوں کا ذکر ہے کہ وہ اپنی قوم کے لوگوں کا مال ناجائز طریقے سے کھاتے ہیں اور انہیں اللہ کی راہ یعنی توحید سے روکتے ہیں، سوال یہ ہے کہ مذکورہ آیت میں اہل کتاب کو مخاطب

کرنے کے بجائے اہل ایمان یعنی مسلمانوں کو کیوں مخاطب کیا گیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ وہ ہوشیار رہیں کہیں ان کے علما اور درویش بھی ان کے ساتھ وہی معاملہ نہ کریں جو اہل کتاب کے علما اور درویش اپنی قوم کے ساتھ کر چکے ہیں، یعنی اولیا کی کارسازی کا عقیدہ پھیلا کر ان کا مال ہڑپ کر جائیں اور ان کو توحید کی راہ سے ہٹا کر شرک کے راستے میں ڈال دیں۔ اولیا کی کارسازی کا عقیدہ ہی وہ شرک تھا جس میں اہل کتاب مبتلا ہوئے اور آج مسلمانوں کا سواد اعظم اسی شرک میں مبتلا ہے اور اس کے ذمہ دار دنیا پرست صوفیہ اور تصوف کے حامی علما ہیں'' ـــ (معارف فروری ص:۹۰)

اعظمی صاحب جب اس سطح پر آ گئے جس کو غیر شریفانہ کہتے ہیں تو ''مغالطہ انگیزی'' کا پردہ بھی کیوں رکھا؟ ''دھوکہ بازی'' لکھتے، پروفیسر موصوف نے ایک طرف مسلمانوں کے بارے میں حسن ظن رکھنے کی نبوی تعلیمات کے خلاف کیا، دوسری طرف قرآن کریم کی واضح ہدایت کو بھی پس پشت ڈال دیا کہ

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ ـــ (الانعام ۱۰۸)

یعنی مشرکین کے معبودوں کو گالیاں نہ دو، ورنہ دشمنی میں نادانی سے وہ اللہ کو گالیاں دیں گے۔

اب اگر کوئی جوشیلا عقیدت مند، ان کا ترکی بہ ترکی جواب دینے بیٹھ جائے تو ان کو شکایت ہوگی، بہر حال! ان کی سوقیانہ تحریر کا جواب دینا ہمارے لیے بار خاطر ہے، شائستگی قلم روکتی ہے اور حیا دامن کھینچتی ہے، وگرنہ اس میدان و چوگان سے ہم بھی دور نہیں ہیں، اعظمی صاحب نے سورۂ توبہ کی آیت کریمہ درمیان میں رکھ کر جو بہتان طرازی کی ہے، آئیے اس کا جائزہ لیتے ہیں۔

ان کا الزام ہے کہ اپنی پیری مریدی کا کاروبار جاری رکھنے کے لیے صوفیوں نے تصوف کی حقیقت لوگوں سے چھپانے کی کوشش کی ہے، گویا جنید و بایزید سے لے کر شاہ ولی اللہ تک صوفیوں نے لوگوں کو فریب دے کر ان کا مال ہڑپ کیا ہے اور پیری مریدی کاروبار دنیوی کی طرح ایک کاروبار ہے، اولیاء حق تعالی کی باذن الہی کارکشائی و کارسازی کو اعظمی صاحب نے افسانہ قرار دیا ہے، گویا تاریخ کی تمام شہادتیں جھوٹی ہیں، اکابر علما و صوفیہ نے جتنی کتابیں لکھی ہیں وہ سب بہ لحاظ مسٹر اعظمی جھوٹ کا پلندہ ہے، قرآن کریم کی آیت مذکورہ جو اعظمی صاحب نے بطور استدلال نقل کی ہے، وہ صوفیوں کے خلاف الزام و بہتان کا گویا ثبوت فراہم کرتی ہے، انداز استدلال سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس آیت کا شان نزول امت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کے یہی علما اور عارفین ہیں، استدلال کا ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ سورۂ توبہ کی اس آیت میں تخاطب مسلمانوں سے ہے، یہود و نصاری سے نہیں ہے، تاکہ لوگ علما اور صوفیہ سے ہوشیار رہیں۔ اولیا کی کارسازی کے مشرکانہ عقیدے میں ہی یہود و نصاری مبتلا تھے، یعنی ان کا اصل شرک یہی تھا اور اسی شرک میں مسلمانوں کا سواد اعظم مبتلا ہے۔

کیا پیری مریدی واقعی دنیاوی کاروبار ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالی نے مرید کرنے کا کیوں حکم دیا ہے

کہ لوگ آپ کے پاس مرید ہونے کو آئیں تو آپ ان کی بیعت لے لیں، قارئین کی سہولت کے لیے آیت بیعت نقل کی جاتی ہے۔

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ عَلٰٓی اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَیْـًٔا وَّلَا یَسْرِقْنَ وَلَا یَزْنِیْنَ وَلَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا یَاْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا یَعْصِیْنَكَ فِیْ مَعْرُوْفٍ فَبَایِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۲﴾—(الممتحنة)

ترجمہ : اے پیغمبر! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں اس بات پر بیعت کرنے (مرید ہونے) کو آئیں کہ کسی کو خدا کے ساتھ عبادت میں شریک نہ کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ حرام کاری کریں گی اور نہ اپنے لڑکوں کو مار ڈالیں گی اور نہ (کسی پر) جھوٹ بہتان باندھیں گی اور نہ شریعت میں تمہاری نافرمانی کریں گی تو ان سے بیعت لے لو اور خدا سے ان کے لئے بخشائش چاہو، بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

انہی الفاظ میں اور انہی امور پر مردوں کی بیعت لینے کی حدیث بخاری نے کتاب الایمان میں روایت کی ہے، حدیث ملاحظہ کریں:

ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال وحوله عصابة من اصحابه بایعونی علی ان لا تشرکوا بالله شیئا ولا تسرقوا ولا تزنوا ولا تقتلوا اولادکم ولا تاتوا ببهتان یفترونه بین ایدیکم وارجلکم ولا تعصوا فی معروف فمن وفی منکم فاجره علی الله ومن اصاب من ذلك شیئا فعوقب به فی الدنیا فهو کفارة له ومن اصاب من ذلك شیئا ثم ستره الله فهو الی الله ان شاء عفا عنه وان شاء عاقبه فبایعناه علی ذلك۔

ترجمہ : حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد تھوڑا مجمع اصحاب کا تھا، آپ نے فرمایا: تم لوگ مجھ سے بیعت کرو اس بات پر کہ عبادت میں اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک نہ بناؤ اور چوری نہ کرو اور زنا نہ کرو اور اپنی اولاد کو نہ مار ڈالو اور کسی پر جھوٹ بہتان نہ باندھو اور احکام شریعت میں نافرمانی نہ کرو تو جو کوئی تم میں سے اپنا عہد پورا کرے گا اس کا ثواب دینا اللہ تعالیٰ پر ہے اور جو کوئی اس میں سے گناہ میں پڑ جائے اور دنیا میں حدود شرعی کی سزا پا جائے تو وہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہے اور جو کوئی اس گناہ میں پڑ جائے پھر اللہ کی ستر پوشی میں آجائے یعنی گناہ ظاہر نہ ہو اور حد شرعی جاری نہ ہو تو اس کا معاملہ اللہ کی طرف سونپا ہوا ہے وہ چاہے معاف کرے چاہے سزا دے (قیامت کے دن) تو ہم لوگوں نے اس بات پر آپ سے بیعت کر لی یعنی آپ کے مرید ہو گئے۔

کتاب وسنت کی روشنی میں پیری مریدی دینی کام ہے، اگر اس زمانے میں کچھ لوگ اس دینی کام کو اپنے دنیوی مقاصد کے لیے استعمال کرنے لگیں تو اس میں صوفیائے متقدمین کا کیا قصور؟ اور اس زمانے کے اہل حق صوفیہ کو برا کہنے کا کیا جواز؟ ”مال“ اور ”من وسلویٰ“ کے الفاظ سے غالباً اعظمی صاحب کا اشارہ ان نذرانوں کی طرف ہے جو مریدین ومعتقدین اپنے

بزرگوں کو پیش کرتے ہیں، اس کو اعظمی صاحب ناجائز طریقہ سے لوگوں کا مال کھانے سے تعبیر کر رہے ہیں حالانکہ ہدایا اور تحائف (کسی بھی شکل میں) قبول کرنا سنت سے ثابت ہے "یا کلون اموال الناس بالباطل کی تشریح میں نذرانوں کو شامل کرنا اعظمی صاحب کی تفسیر بالرائے ہے، نذرانوں کے بارے میں ہم نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ اس کے تین اصول ہیں "لا ردّ ولا حدّ ولا کدّ" نذرانے کو رد نہیں کیا جائے گا، اس کے لیے کوئی حد متعین نہیں کی جائے گی کہ اتنا نہیں اتنا ہو، اس کے حصول کی کوشش نہیں کی جائے گی یعنی کسی مرید و معتقد سے نذرانہ طلب نہیں کیا جائے گا بلکہ حسن طلب سے بھی احتیاط کی جائے گی۔ اسی پر تمام اہل حق صوفیہ سلف سے لے کر خلف تک عمل کرتے آئے ہیں اور اس طریقے میں کسی طرح کی کوئی شرعی قباحت نہیں ہے بلکہ بعض احادیث بھی اس کی تائید کرتی ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک بار فرمایا گیا: بغیر طلب کے جو تم کو ملے اس کو لے لو اس میں خیر ہے۔

اس دور انحطاط میں ایسے "خرقہ بر دوش صوفی" ضرور ہوں گے جنہوں نے صوفیہ کی اس قدیم روش کو چھوڑ دیا ہو اور مرید و معتقد سے ضرورت کی چیزیں طلب کرتے ہوں اور انہی "فتوحات" پر عیش و تنعم کی زندگی گزارتے ہوں، اس طرح کے لوگ ہماری بحث سے خارج ہیں، کیونکہ اصلاً وہ صوفی نہیں ہیں اگر چہ وہ خود کو قادری اور چشتی کہتے ہوں، لیکن پروفیسر اعظمی نے تمام اہل حق صوفیہ کو اپنے اعتراضات کا نشانہ بنایا ہے، ان کے مشار الیہ عصر حاضر کے نام نہاد صوفی ہوتے تو اس طویل بحث میں پڑنے کی ہمیں ضرورت نہ تھی۔

تاریخ کے بے شمار حوالے ملیں گے کہ صوفیوں نے حکمراں طبقے کی ہر مالی پیش کش کو ٹھکرایا، عوامی سطح پر جو ان کی "فتوحات" ہوتیں وہ ضرورت مندوں اور محتاجوں میں تقسیم ہو جاتی تھیں۔ افسوس کہ اہل تصوف کے ان واقعات کو اعظمی صاحب نے بالقصد نظر انداز کیا اور سلف سے خلف تک تمام صوفیہ کو "احبار و رہبان" کی صف میں کھڑا کر دیا۔ قرآن نے آیت مبارکہ میں مسلمانوں کو متنبہ ضرور کیا ہے لیکن صوفیوں نے کب وہ کام کیا جو یہود و نصاری کے حبر اور راہب کرتے تھے؟ کیا جنید و شبلی نے اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے روکا؟ کیا شاہ ولی اللہ صاحب نے مسلمانان دہلی کو دھوکہ دے کر ان کی زمین و جائیداد پر قبضہ کر لیا؟ عام مسلمان پر بھی کوئی شخص الزام عائد کرے تو اس پر شہادت پیش کرنا واجب ہے، یہاں امت کے ممتاز افراد پر الزامات کی بھرمار ہے اور شہادت مفقود۔ قرآن کریم کی آیت سے استشہاد تو اس وقت صحیح ہوتا جب ملزم پہلے ہوتا، آیت بعد میں اترتی، منکرین تصوف کے "تحقیق انیق" کی یہ کون سی قسم ہے؟ ع

لاتے ہیں سرور اول دیتے ہیں شراب آخر

منکرین تصوف صوفیوں کے رد اور تصوف دشمنی میں اس قدر الجھے ہوئے ہیں کہ ان کے خرد کی گتھیاں کہیں پر سلجھتی ہی

نہیں ہیں، اسی بحث میں اعظمی صاحب ایک طرف صوفیوں کو افلاس پسند ثابت کر رہے ہیں، دوسری طرف دھوکے سے لوگوں کا مال ہڑپ کرنے والا بھی کہہ رہے ہیں، ’’محاسن اخلاق میں تفریق‘‘ کے زیر عنوان انہوں نے صوفیوں کو ’’عفو و درگزر، تواضع و خاکساری، عفت وحیا، توکل، رضا، شکر، قناعت اور حلم جیسے اہم اخلاقی اوصاف‘‘ کا حامل قرار دیا ہے، اور ان سطور میں انہی صوفیوں کو فریبی دھوکے باز اور لوگوں کے مال کو ’’من وسلوی‘‘ سمجھ کر ہڑپ کر جانے والا کہہ رہے ہیں۔ قارئین ان کی ژولیدہ بیانی اور ان کا فکری تضاد ملاحظہ کریں، موصوف کو ذرا بھی احساس نہیں ہوا کہ وہ اپنے قلم سے اپنی ہی بات کی تردید کر رہے ہیں، یہ ممکن نہیں کہ ایک ہی آدمی اخلاق عالیہ سے متصف اور اخلاق رذیلہ کا حامل بھی ہو، یاللعجب۔ یہ سب انکار تصوف کے نتائج ہیں، اعظمی صاحب کے ان متضاد اور متصادم خیالات سے قارئین پر اس محاورے کا صحیح مفہوم واضح ہو گیا ہوگا ’’دروغ گو را حافظہ نباشد۔

اعظمی صاحب کی اس تحریر میں جو بات ان کے لیے خار مغیلاں بنی ہوئی ہے، وہ اولیا کی کارسازی کا عقیدہ ہے، یہ بھی ان کا افترا ہے، کارسازی اور کارکشائی پر لغوی اور معنوی بحث کی جائے تو بات طویل ہو جائے گی۔ عقیدے کے طور پر کارساز، کارآفریں اور کارکشا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اللہ اپنے بندوں سے کام لیتا ہے، اس پر کچھ گفتگو سطور ما سبق میں کی جا چکی ہے۔ انبیا اور اولیا کی کارسازی اللہ کی عطا کردہ قوتوں کی وجہ سے ہے، خواہ زندگی میں ہو یا بعد وفات۔ اعظمی صاحب کے کہنے کے مطابق اولیا کے کارساز یعنی متصرف ہونے کا عقیدہ صوفیوں کا وضع کردہ ہے اور تمام اہل تصوف نے سلف ہوں یا خلف، یہ عقیدہ تیار کیا ہے۔ اتنا بڑا الزام بغیر کسی دلیل و برہان کے صالحین امت پر عائد کرنے کی جرأت وہی کر سکتا ہے جس کو نہ خوف خدا ہو، نہ یوم آخر کے احتساب پر یقین۔

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا۝۵ ——(الکھف)

حالانکہ قرآن خود اس کی تائید کرتا ہے کہ انبیا اور اولیا، اللہ کے حکم سے کارسازی اور کارکشائی کرتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک درباری، جن کو مفسرین آصف بن برخیا کے نام سے موسوم کرتے ہیں، ان کی امت کے اولیا میں تھے، انہوں نے ایسا تصرف کیا کہ عقول انسانی آج بھی اس کی حقیقت سمجھنے سے قاصر ہیں۔ واقعہ اہل علم کو معلوم ہے، مگر قارئین کی سہولت کے لیے اس کا ذکر یہاں پر ضروری ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے دربار میں بیٹھ کر ملکۂ سبا کا عظیم الشان اور غیر معمولی تخت اٹھا کر لانے کی فرمائش کی تو دربار میں دو دعویدار اٹھے، ایک جن اور ایک انسان۔ جن بڑی قوتوں والا عفریت تھا، اس نے کہا: اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ آپ کے دربار برخاست کرنے سے پہلے میں وہ تخت لے آؤں گا، لیکن دوسرے درباری نے دعوی کیا کہ میں آپ کی پلک جھپکتے ہی لے آؤں گا۔ ان کی خصوصیت قرآن نے یہ بیان کی ہے: عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اس کے پاس کتاب کا علم تھا۔ انہوں نے اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ؕ کا

دعوی کیا۔ ان کی زبان سے یہ جملہ نکلا اور تخت سبا سامنے رکھا تھا، نہ ان کو کسی نے دربار سے جاتے دیکھا اور نہ تخت اٹھا کر لاتے دیکھا۔ قرآن کریم کے سیاق و سباق کے اعتبار سے وہ جن نہیں، انسان تھے۔ اگر منکرین تصوف ان کو جن ہی سمجھنے پر مصر ہیں تو پھر جنوں کو کارساز تسلیم کرنا ہوگا۔ لیکن آصف بن برخیا نے اتنا بڑا کارنامہ روحانی قوت سے ہی انجام دیا۔ ایسے وہبی اور روحانی علوم کو منکرین تصوف اور خوارج تسلیم نہیں کرتے۔

یہود و نصاریٰ کے متعلق اعظمی صاحب کا یہ دعوی بھی محل نظر ہے کہ اولیا کی کارسازی کا عقیدہ ہی وہ شرک تھا جس میں اہل کتاب مبتلا ہوئے۔ اعظمی صاحب نے اپنے علم و تحقیق کے زعم میں قرآن کی شہادت کو بھی نظر انداز کیا۔ اہل کتاب کا شرک وہ نہیں تھا بلکہ ان کا شرک خدا کے لیے بیٹا قرار دینا تھا۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ ؕ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ

قرآن کی کوئی ایسی شہادت ہماری نظر میں نہیں ہے کہ اولیا کی کارسازی کو قرآن نے یہود و نصاریٰ کا شرک قرار دیا ہو، بلکہ وہ خود کو بھی نعوذ باللہ، اللہ کی اولاد سمجھتے تھے۔

قَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ أَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَأَحِبَّآؤُهٗ ؕ۔

اعظمی صاحب نے قرآن کریم کے بالکل خلاف بات لکھی ہے، محض صوفیہ کو مطعون کرنے کے لیے۔

اپنی دانست میں اہل تصوف کو مغالطہ انگیز ثابت کر کے اعظمی صاحب نے احسان، طریقت اور وحدۃ الوجود پر اپنے ''زرین خیالات'' کا اظہار فرمایا ہے، اب تک کی بحثوں میں ہمیں ان کے زرین خیالات میں زر کے بجائے شر ہی ملا ہے، قرآن و حدیث سے کھلواڑ کو شر ہی کہیں گے۔

احسان کے متعلق ان کے خیالات ملاحظہ کریں:

''ایک دلچسپ مغالطہ یہ بھی ہے کہ حدیث میں جس چیز کو احسان کہا گیا ہے، اس کا نام تصوف ہے، حدیث یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نماز اس طرح پڑھو کہ گویا خدا کو دیکھ رہے ہو، اگر یہ ممکن نہ ہو تو یہ خیال کرو کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔

حدیث اپنے مضمون میں بالکل واضح ہے۔ اس میں نماز کے درجات کا ذکر ہوا ہے۔ اس کا سب سے اونچا درجہ یہ ہے کہ آدمی اس طرح نماز ادا کرے کہ گویا خدا کو دیکھ رہا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ خدا کو دیکھنے کا مطلب یہ تو نہیں ہو سکتا کہ نمازی اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔ اس کا واضح مطلب حسی مشاہدہ ہے، یعنی

نمازی اس طرح خشوع اور خضوع اور ذہنی استغراق کے ساتھ نماز ادا کرے کہ وہ حسی سطح پر خدا کے مشاہدہ کے مترادف بن جائے۔ یہ ٹھیک وہی استغراق ہے جو مومن کے اس مشہور شعر میں ہے ۔

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا ❁ جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

اگر کسی نمازی کو اس درجہ ذہنی اور قلبی محویت حاصل نہ ہو تو وہ اس احساس کے ساتھ کامل سکون واطمینان سے نماز ادا کرے کہ خدا اس کو دیکھ رہا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ بے خیالی میں بے دلی کے ساتھ نماز ادا ہو جائے۔

مذکورہ حدیث میں ''رویت'' کو اس کے لفظی معنی میں لینا یعنی خدا کا عینی مشاہدہ، سراسر غلط اور گمراہ کن خیال ہے''۔۔۔(معارف فروری)

یہاں تک لکھنے کے بعد اعظمی صاحب نے عدم رویت کی دلیلیں دی ہیں اور لفظ احسان پر طویل گفتگو کی ہے۔ ان کی طویل بحث کا خلاصہ لفظ احسان کے معنوی تعین میں انہی کے الفاظ میں یہ ہے:

''احسان کے بھی درجے ہیں، اس کا پہلا درجہ یہ ہے کہ محسن جو کام بھی کرتا ہے، اس کو اچھے ڈھنگ سے اس طرح کرتا ہے جیسا اس کے کرنے کا حق ہے۔

احسان کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ محسن صرف انہی احکام کی تعمیل اچھے ڈھنگ سے نہیں کرتا جس کے کرنے کا اس کو حکم دیا گیا ہے بلکہ جن نیک کاموں کا کرنا اس پر قانوناً واجب نہیں ہے، ان کو بھی رضائے الٰہی کی طلب میں اپنی خوشی سے انجام دیتا ہے''۔

اعظمی صاحب کے ان خیالات پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بعض صوفیہ احسان کو ہی غایت تصوف قرار دیتے ہیں تو اس میں کون سی شرعی قباحت اور اخلاقی برائی ہے؟ اور اس میں مغالطہ انگیزی کی کیا بات ہے؟ اس میں بھی مغالطہ انگیزی صرف اس لیے ہے کہ لفظ تصوف منکرین کو پسند نہیں ہے۔ جو لفظ منکرین تصوف کو ناپسند ہو وہ عنداللہ اور عندالناس بھی ناپسند ہو، اس کی کیا دلیل ہے؟ اس قسم کی انتہا پسندی اور فکری بے اعتدالیوں نے ہی خوارج کو نگاہ رسالت میں مردود بنایا۔ یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ کن لوگوں نے اس حدیث میں رویت کو حقیقی معنوں میں لیا ہے؟ اعظمی صاحب نے کوئی حوالہ نہیں دیا۔ چونکہ اہل تصوف نے احسان کو تصوف کا غایت ومنتہا قرار دیا ہے، اس لیے اعظمی صاحب نے یہ تصور کر لیا کہ صوفیہ رویت باری تعالیٰ کو حقیقی معنوں میں لیتے ہیں۔ یہی تصور کر کے مسٹر اعظمی نے قارئین کو اپنے کلاس کے طلبہ کی طرح احسان کی غرض وغایت سمجھانے کی کوشش کی ہے۔

اعظمی صاحب نے احسان کے دو درجے متعین کیے ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے درجہ والا محسن اتنا ہی کرتا ہے جتنا

اس کو کرنے کا حکم ملا ہے اور حکم کی تعمیل اچھے ڈھنگ سے کرتا ہے۔ دوسرے درجہ والا محسن حکم کے مطابق اچھے ڈھنگ سے حکم کی تعمیل کرتا ہے اور اس کے علاوہ اللہ کو خوش کرنے کے لیے مزید نیک کام کر دیتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک مزدور پانچ گھنٹے محنت اور ایمانداری سے کام کرتا ہے، کام ختم کر کے اپنی اجرت لیتا ہے۔ ایک مزدور وہ ہے جو پانچ گھنٹے دیانت داری کے ساتھ کام کرتا ہے اور پھر مالک کو خوش رکھنے کے لیے اپنی طرف سے دو گھنٹے اور کام کر دیتا ہے۔ قارئین غور کریں: کس کو اولیت دینی چاہیے؟ اعظمی صاحب کی الٹی فکر نے یہاں بھی معاملہ الٹا کر دیا۔

حدیث جبرئیل میں سوق حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ لفظ احسان یہاں پر مخصوص اصطلاح کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ یہاں احسان سے اس کا عمومی اور لغوی مفہوم مراد نہیں ہے، جیسا کہ پروفیسر اعظمی صاحب کا خیال ہے کہ ہر نیک عمل کو اچھے ڈھنگ سے انجام دینا احسان ہے۔ اگر احسان سے ہر عمل خیر میں احسان مراد ہے تو وہ اسلام کے مفہوم میں شامل ہے اور ہر حکم الہی کی بطریق احسن بجا آوری ایمان کا تقاضا ہے۔ ایمان و اسلام کا بیان حدیث میں پہلے ہو چکا ہے، اس کے لیے الگ سے لفظ احسان کی ضرورت نہ تھی، کیونکہ جب جبرئیل علیہ السلام نے سوال کیا: ما الاحسان یا رسول اللہ؟ تو بجائے ان تعبد اللہ کانك تراہ ...... فرمانے کے یہ فرمایا جاتا: ان تحسن کل حسنة حق احسانھا تو اس میں نماز اور دیگر اوامر سب شامل ہو جاتے۔ لفظ احسان کی وضاحت میں صرف نماز کا ذکر فرمانا جس میں رویت ومشاہدے کی کیفیات بھی شامل ہوں، اس بات کی دلیل ہے کہ احسان یہاں ان معنوں میں مراد نہیں ہے جن معنوں میں قرآن کریم کی مختلف آیات میں مذکور ہے۔ احسان کے بارے میں اعظمی صاحب کا نظریہ غلط ہے۔ نماز کے متعلق قرآن کی آیات واضح ہیں: قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِیۡنَ ہُمۡ فِیۡ صَلَاتِہِمۡ خٰشِعُوۡنَ ۙ﴿۲﴾ نماز میں خشوع وخضوع سے متعلق احادیث بھی ہیں، لیکن حضرت جبرئیل علیہ السلام کے سوال کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ ارشاد فرمایا، اس سے لفظ احسان کی تخصیص ہوتی ہے۔ قرب الہی کے حصول میں نماز اہم ترین عبادت ہے، بعض روایتوں میں نماز کو معراج المومنین فرمایا گیا۔ لہسن اور پیاز کھا کر مسجد میں آنے سے منع فرمایا گیا ہے اور خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لہسن اور پیاز کے استعمال سے پرہیز کا سبب یہ بیان فرمایا: انا رجل اناجی ربہ اس لیے قیاس بھی مقتضی ہے کہ حدیث میں لفظ احسان نماز کے لیے ہو عام مفہوم میں نہیں ہو۔ مسٹر اعظمی اور ان کی جماعت قرآن وحدیث سے جو نتیجہ نکالیں وہ اسلامی چیز ہے اور اہل تصوف جو استنباط کریں کتاب وسنت سے وہ غیر اسلامی ہے۔ یہ منکرین تصوف کا استکبار ہے۔

نماز میں رویت پر اعظمی صاحب نے بلا ضرورت گفتگو کی ہے، حضرت ام المومنین کا ارشاد اور قرآن کی آیت سے استشہاد سفر معراج سے متعلق ہے۔ حدیث مذکورہ میں رویت کی کیفیت پر تو صحابہ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ نہیں پوچھا، کیونکہ اس رویت کا مفہوم سب کو معلوم تھا۔

تصوف کی غایت، قرب حق ہے اور قرب حق کا اہم ترین ذریعہ رویت ومشاہدے والی نماز ہے۔تصوف کا مقصد احسان میں موجود ہے اور احسان کی غرض تصوف میں پائی جاتی ہے، اس اعتبار سے احسان کو تصوف کہا جائے اور تصوف کو احسان کا دوسرا نام دیا جائے تو بالکل صحیح اور مناسب بات ہے، اس پر کسی واویلے کی ضرورت نہیں، مگر منکرین تصوف کو کون سمجھائے؟ ان کے لیے تو روح القدس کی گواہی بھی ناکافی ہے۔

رہ گیا اعظمی صاحب کا یہ دعوی کہ مسلمانوں کا سواد اعظم اسی شرک میں مبتلا ہے تو اس کا جواب سطور ماسبق میں دیا جا چکا ہے۔کتاب وسنت کو نظر انداز کر کے اپنی بات لوگوں پر مسلط کرنا منکرین تصوف کی عادت ثانیہ ہے، ان کے ترجمان نے اب تک یہی کام کیا ہے۔حدیث پیش کی جا چکی ہے کہ مسلمانوں کا سواد اعظم گمرہی میں مبتلا نہیں ہو سکتا۔جس مذہب کا سواد اعظم یعنی اس کی غالب اکثریت عقائد کے اعتبار سے بگڑ جائے، وہ مذہب باقی نہیں رہ سکتا۔کیا اسلام نعوذ باللہ ختم ہو گیا ہے؟

جس طرح اس زمانے میں کفار ومشرکین کو لفظ اسلام سے نفرت ووحشت ہے، اسی طرح منکرین تصوف کو تصوف اور اصطلاحات تصوف سے نفرت ووحشت ہے اور اس الرجی کا کوئی علاج نہیں ہے۔اہل تصوف کی مغالطہ انگیزی کے تحت آخر میں لفظ تصوف پر اعتراض ہے، اس مضمون کے آغاز میں بھی اعظمی صاحب نے تصوف کی تعریف، حقیقت اور اصطلاح پر طویل بحث کی ہے۔ہمارے نزدیک اصطلاح پر بحث واعتراض فضول ہے اور اس پر گفتگو کرنا تضییع اوقات۔

فقط زاہد کی کج فہمی تھی ورنہ کچھ نہ تھا قصہ
وہ محرابیں کہے ہم ابروئے خمدار کہتے ہیں

مسٹر اعظمی خود کو علمائے حق میں شمار کرتے ہیں، تحریر فرماتے ہیں:

”چنانچہ جب بھی علمائے حق کی طرف سے تصوف کے اعمال وافکار پر اعتراض کیا جاتا ہے اور ان کو غیر اسلامی بتایا جاتا ہے تو تصوف کے حامی علما حقیقت حال کو چھپانے کے لیے مغالطہ انگیزی کرتے ہیں“۔

تصوف اور اس کے اعمال وافکار پر علمائے حق اعتراض نہیں کرتے ہیں، بلکہ علمائے خوارج اعتراض کرتے ہیں، جن کے متعلق واضح احادیث ہیں کہ وہ قرآن پڑھیں گے مگر قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، وہ دین سے نکلے ہوئے ہوں گے جس طرح شکار سے تیر نکل جاتا ہے اور تیر کے نوک اور پر وغیرہ میں شکار کی کوئی چیز لگی نہیں ہوتی۔پچھلے سطور میں واضح کیا جا چکا ہے کہ مسٹر اعظمی کے اعتراضات واہی ہیں اور قرآن سے ان کا استدلال بے محل ہے، بعض احادیث سے استدلال میں کھلا فریب ہے۔

طریقت کے متعلق موصوف لکھتے ہیں:

”طریقت کی اصطلاح تصوف کے لٹریچر میں کثیر الاستعمال ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ یہ شریعت سے الگ ایک

چیز ہے اور یہ ایک زبردست مغالطہ انگیزی ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ شریعت اور طریقت دین کے دو رخ ہیں‘‘۔

یہاں پروفیسر اعظمی کیا کہنا چاہتے ہیں؟ قارئین کی سمجھ میں کچھ نہ آیا ہوگا؟ ’’کہا جاتا ہے کہ شریعت اور طریقت دین کے دو رخ ہیں‘‘، ’’سمجھا جاتا ہے کہ یہ شریعت سے الگ ایک چیز ہے‘‘ یہ ژولیدہ بیانی کیوں پیدا ہو رہی ہے؟ سمجھا جاتا ہے کچھ اور، کہا جاتا ہے کچھ اور۔ پھر اس عنوان کے آخر میں لکھتے ہیں:

’’جہاں تک طریقت کے دوسرے جزء کا تعلق ہے یعنی خدا کے اوامر ونواہی کی اچھے ڈھنگ سے پابندی تو یہ عین شریعت اور اس کا مقصود ہے۔ اس اعتبار سے طریقت شریعت ہی کا ایک حصہ ہے، اس سے الگ کوئی چیز نہیں ہے۔ مجدد الف ثانی نے لکھا ہے کہ شریعت کے تین جزء ہیں علم، عمل اور اخلاص۔ طریقت وحقیقت دونوں شریعت کے تیسرے جزء یعنی اخلاص کی تکمیل کے لیے شریعت کے خادم ہیں‘‘۔

اعظمی صاحب کا یہ فکری تضاد، اعتراض بھی کر رہے ہیں اور خود ہی جواب بھی دے رہے ہیں۔ حضرت مجدد تو حلقۂ صوفیہ سے ہی تعلق رکھتے ہیں، ان کے خیالات سے اعظمی صاحب گویا اتفاق کر رہے ہیں۔ اعظمی صاحب کا یہ فکری تضاد اس بات کا غماز ہے کہ وہ محض اپنی جماعت سے وفا نبھانے کے لیے مخالفت ومخاصمت کی راہ پر آگئے ہیں۔ خدا کرے ہمارا حسن ظن صحیح ہو اور آئندہ ان کا گمان نیک ہو۔ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ کا مصداق نہ ہو۔

طریقت کے زیرعنوان وہ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے:

’’لیکن طریقت کا مطلب فقط باطن کی اصلاح اور اللہ کے اوامر کی تعمیل اور اس کے نواہی سے اجتناب نہیں بلکہ اس سے کچھ زیادہ ہے۔ اس ’’کچھ زیادہ‘‘ کو صوفی علما عام لوگوں سے چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس ’’کچھ زیادہ‘‘ کا تعلق اصلاح خیال سے ہے، یعنی دل کو ماسوا اللہ کے خیال سے پاک کرنا‘‘۔

اس کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب کی ’’سطعات‘‘ کی عبارت نقل کی ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:

’’تصحیح خیال کی بات دین میں اضافہ ہے، یہ ایک غیر منصوص خیال ہے‘‘۔

اعظمی صاحب کے خیال کے مطابق ’’طریقت کا مطلب فقط باطن کی اصلاح ہی نہیں، اس سے کچھ زیادہ ہے‘‘ یقیناً زیادہ ہے، لیکن اس کو چھپانے کی بات اعظمی صاحب کی ناسمجھی ہے۔ ان کو یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ باطنی تربیت اور اصلاح کے لیے صوفیہ کے یہاں جو تعلیمات اور اس پر عمل کرنے کے طریقے ہیں، وہ صوفیہ ان ہی لوگوں کو بتاتے ہیں جو بیعت کر کے ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوتے ہیں۔ ان تعلیمات کو برسر منبر بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ورنہ طبیب پر طریقۂ علاج کو چھپانے کا الزام آئے گا۔ پروفیسروں کو اپنے موضوع فن سے عوام کو بے خبر رکھنے کا الزام آئے گا۔ اعظمی صاحب کے انداز فکر

پر مجھے حیرت ہے۔ عالم اور مفتی سے جب لوگ مسئلہ پوچھیں گے نہیں تو ان پر کتمان علم کا الزام کس طرح صحیح ہوگا؟ جب کوئی طالب کسی صوفی کے پاس تہذیب نفس کے ارادے سے آئے گا تب ہی وہ اس کو بتائیں گے کہ کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا۔ یہ عجیب مضحکہ خیز اعتراض ہے۔ جب اہل تصوف امور طریقت کو چھپاتے ہیں تو شاہ ولی اللہ صاحب نے کیسے منکشف کر دیا؟ اور اعظمی صاحب جیسا مخالف ومعاند بھی اس ''سر مکتوم'' سے واقف ہوگیا۔

ہم نے پہلی بار کسی مخالف تصوف کی تحریر پڑھی اور توجہ سے پڑھی۔ مجھے ہرگز یہ اندازہ نہیں تھا کہ منکرین تصوف، دین اور اس کے حقائق ومعارف اور اسرار وحکم سے اتنے بے خبر ہوتے ہیں۔ اگر یہ تحریر معارف جیسے وقیع اور معیاری پرچے میں نہ چھپتی تو قابل اعتنا بھی نہ ہوتی۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے تصحیح خیال کی جو بات لکھی ہے، وہ تمام متقدمین ومتأخرین صوفیہ کا خیال ہے اور یہ بے بنیاد بات ہرگز نہیں ہے۔ اس کو غیر منصوص کہنا اور دین میں اضافہ قرار دینا ایمانی تقاضے کے خلاف ہے۔ غیر اللہ کے خیال سے دل کو پاک وصاف رکھنا اگر دین میں اضافہ ہے تو غیر اللہ کی یادوں کو دل میں بسائے رکھنا کب نص قرآنی سے ثابت شدہ ہے؟ اللہ کی محبت ہی اصلاً ایمان کی بنیاد ہے۔ یہ عجیب فلسفہ ہے بلکہ گمراہ نظریہ ہے کہ اللہ سے محبت کے دعوے کے باوجود ایک مسلمان اس کی یاد سے اپنے دل کو آباد نہ کرے۔ غیر اللہ کی یادوں سے دل ودماغ معمور رہیں تو دین میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا اور ایک مومن صرف ذات حق تعالیٰ جل مجدہ کی یاد سے ویرانۂ دل کو آباد کرلے تو اس کے دین میں خلل واقع ہوگیا۔ نعوذ باللہ من ھذہ الھفوات و الخرافات یہ بات ایک ملحد کہہ سکتا ہے یا پھر وہ شخص کہہ سکتا ہے جو اپنی خواہش کو بے لگام رکھنا چاہتا ہے اور ''بتان رنگ وبو'' سے دل کو بہلانا چاہتا ہے۔

''ذکر وفکر میں تفریق'' کے تحت اعظمی صاحب نے جس طرح ذکر الٰہی کی تحقیر کی ہے، وہ مسلمانوں کو اللہ سے دور کرنے کی مذموم کوشش ہے۔ تصحیح خیال بھی اسی قبیل کی چیز ہے، ان دونوں کا انکار بندے کو اللہ سے دور کرنے کے لیے کافی ووافی ہے۔ انکار تصوف کی پوری تحریک میں منکرین تصوف کا جو مقصد سامنے آتا ہے، وہ یہی ہے۔ اللہ سے دور کرنے کی کوشش۔ اس کو منکرین تصوف کی غیر شعوری کوشش بھی کہہ سکتے ہیں، لیکن ایسا محسوس نہیں ہوتا، کوئی مسلمان اتنا بے شعور نہیں ہوسکتا کہ اللہ کی یاد اور اس کو قلب وذہن میں رکھنے سے روکے۔ بہر حال قطعاً کوئی بات نہیں کہی جاسکتی، مگر محسوسات یہی ہیں۔

''ذکر وفکر میں تفریق'' کے تحت، ذکر الٰہی کی اہمیت پر ہم نے گیارہ آیات نقل کی ہیں، سب کا یہاں نقل کرنا تطویل و تکرار کا باعث ہوگا، اس لیے مضامین آیات کی طرف اشارہ کر دینا کافی ہوگا۔

سورہ مزمل ۸: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ذکر کا حکم دیا ہے اور اللہ کی طرف یکسو ہو جانے کی تلقین

فرمائی ہے۔تبتل کا مطلب ہے ہر طرف سے ہٹ کر اللہ کی طرف متوجہ ہو جانا۔

سورہ اعراف ۲۰۶: حکم الٰہی ہے کہ اللہ کو اپنے دل میں یاد کرتے رہو، اس ذکر میں تضرع اور خوف ہو، ذکر صبح وشام ہو اور ذکر سے غفلت نہ ہو۔صبح وشام سے دن کے تمام اوقات مراد ہیں کیونکہ آغاز واختتام ذکر کر دینے سے درمیانی اوقات کا احاطہ ہوتا ہے، جیسے: امنوا باللہ والیوم الاخر ایمان کا انحصار و مدار جتنی چیزوں پر ہے ان میں پہلی چیز ایمان باللہ اور آخری چیز ایمان بالآخرت ہے، اس اول و آخر کے درمیان ایمانیات کی تمام باتیں شامل ہیں۔سورۂ اعراف کی آیت مذکورہ میں ولا تکن من الغافلین کہہ کر دوام ذکر کی طرف اشارہ اور وہ شب وروز کے ان تمام لمحات پر محیط ہے جب آدمی بیدار رہتا ہے (ویسے اہل تصوف اس کی بھی مشق کراتے ہیں کہ بہ حالت نوم بھی دل ذاکر رہے، مگر وہ منکرین تصوف کی سمجھ سے باہر کا معاملہ ہے)۔

المنافقون ۹: اہل ایمان کو مخاطب کر کے کہا گیا کہ کہیں تمہارے مال اور تمہاری اولاد تم کو ذکر الٰہی سے غافل نہ کر دے۔یہ غفلت تمہارے لیے موجب خسران آخرت ہوگی۔

النور ۳۷: بعض اہل ایمان کی مدح کے طور پر کہا گیا کہ تجارت اور خرید وفروخت ان کو ذکر الٰہی سے غافل نہیں کرتی۔نماز وزکوۃ سے دور نہیں کرتی۔

یہ آیات اس بات کی گواہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات قدسی صفات منزہ عن الشریک والصفات بھلانے کی چیز نہیں ہے، اس کی ذات میں مستغرق رہنے والا، اس کی یادوں میں جینے والا کسی اور کے خیال کی طرف کیسے متوجہ ہو سکتا ہے؟ ذکر، دوام ذکر، کثرت ذکر اور عدم غفلت ذکر سے، اس کے دل و دماغ سے ماسوا اللہ کے سارے نقوش مٹ جائیں گے اور ''تصحیح خیال'' کی کیفیت اس کو حاصل ہوگی۔وہ جس کو بھی یاد کرے گا، جس کو سوچے گا وہ اللہ کے حوالے سے ہی یاد کرے گا۔

اسی مفہوم کو ایک حدیث میں بیان کیا گیا ہے:

انما الدنیا ملعونۃ وملعون ما فیہا الا ذکر اللہ وما والاہ وعالما ومتعلما۔

ماسوا اللہ سے دل کو پاک وصاف رکھنے کی تائید ان آیات سے بھی ہوتی ہے جن آیات میں معمولات شب وروز کے تمام حرکات وسکنات میں اللہ کی یاد کی ترغیب وتلقین ہے۔سورۂ آل عمران: ۱۹۱، ۱۹۲، سورۂ نساء: ۱۰۳ دیکھیے۔

اہم ترین عبادات اور افضل اعمال کے بعد بھی اللہ پاک کو یاد کرتے رہنے کی تلقین سورۂ بقرہ: ۲۰۰، سورۂ جمعہ ۹، سورۂ انفال ۴۵ میں ملاحظہ کریں۔سورۂ زمر میں تو فیصلہ ہی کر دیا گیا کہ ذکر الٰہی سے غفلت قساوت قلبی ہے اور ایسے قسی القلب کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں۔(آیت: ۲۲) ذکر الٰہی نہ کرنے والے کے لیے تو یہ وعید ہے، اسی پر قیاس کرتے ہوئے ذکر الٰہی سے روکنے والے کے بارے میں قارئین خود فیصلہ کر سکتے ہیں۔

قارئین ان تمام آیات کے مفاہیم پر غور کریں، ہر جانب داری سے پرے ہو کر، تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگی کہ ”تصحیح خیال“ نہ صرف امر منصوص ہے، بلکہ بندے اس پر مامور بھی ہیں، اگر چہ یہ حکم نماز و روزہ کی طرح فرض عین نہیں ہے، مگر محبت الٰہی کا تقاضا تو ہے۔ ہمارے صوفیۂ صافیہ رضوان اللہ علیہم نے ماسوا اللہ سے دل کو پاک رکھنے کی بات قرآن کریم سے ہی سمجھی ہے۔ اعلی اللہ درجاتہم۔ مگر اس گناہگار راقم السطور کا ذاتی خیال یہ ہے کہ قرآن کریم کی رہبری نہ ہوتی تو بھی یہ سوختہ دلان عشق الٰہی ”والذین امنوا اشد حبا للہ“ کے آفاقی نظریے کے مطابق اپنے محبوب ازلی و مطلوب ابدی جل وعلا کے سوا کسی کو اپنے دلوں میں جگہ نہیں دیتے۔

غیر اللہ سے دل کو خالی رکھنے کی نعمت جس کو جس حد تک حاصل ہو جائے، اللہ کے فضل پر منحصر ہے، لیکن صوفیہ سالک کی تربیت میں اصلاح کے خیال کو ضروری سمجھتے ہیں۔ بہر حال اس مسئلہ میں بھی صوفیہ حق پر ہیں، اعظمی صاحب کی باتیں بے دلیل ہیں اور گمراہ کن بھی ؏

خود ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

وحدۃ الوجود کا مسئلہ منکرین تصوف کے یہاں ابغض المسائل میں ہے۔ اس کو لے کر ان لوگوں نے تصوف اور صوفیہ پر خوب لعن طعن کی ہے۔ حالانکہ اس مسئلے پر تمام اہل تصوف کا اتفاق نہیں ہے اور نہ اس مسئلے پر اہل خانقاہ کوئی گفتگو کرتے ہیں اور نہ اس کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ وحدۃ الوجود پر جو کچھ مباحث ہیں وہ سلف کی تحریروں میں ہیں۔ یہ بس ایک نظری مسئلہ ہے، عملاً وحدۃ الوجود کبھی صوفیہ میں رائج نہیں رہا۔ منکرین تصوف نے اس دور میں اہل تصوف سے عوام کو بدظن کرنے کے لیے اس کو ہتھکنڈہ بنالیا ہے۔ اعظمی صاحب نے اس کی تردید میں پورا زور قلم صرف کیا ہے اور اس کو ایک عظیم دینی خدمت سمجھ کر اس کے رد میں ایک کتابچہ بھی تحریر فرمایا ہے۔ وہ میری نظر سے نہیں گزرا۔ اس تحریر میں انہوں نے صوفیوں پر وحدۃ الوجود کے حوالے سے جتنا غصہ اتارا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کتابچہ میں کیا کیا نہ لکھا ہوگا۔ ان کا خیال ہے کہ وحدۃ الوجود سے اسلام کا تصور توحید مجروح ہوا اور اولیاء پرستی کی بیماری پھیلی۔ ان کا خیال ہے کہ ”وجودی صوفیہ اصنام میں بھی جلوۂ خداوندی دیکھتے ہیں“۔

انہوں نے کسی ہندوستانی صوفی کی تحریر نقل کی ہے:

”ہمارے یہاں مجوسی اور عیسائی سب برابر ہیں، کوئی برا نہیں، جب خدا آسمان پر نہیں ہے بلکہ ہم میں تم میں چھپ کر سب کو دھوکے میں ڈال دیا ہے تو بس ایک صورت پکڑ لے، خدا مل جائے گا، آسمان پر کیا دھرا ہے“

اعظمی صاحب نے فصوص کی ایک عبارت بھی نقل کی ہے:

”موسیٰ بہ نسبت ہارون کے حقیقت نفس الامری سے زیادہ واقف تھے، موسیٰ جانتے تھے کہ گوسالہ پرستوں نے حقیقت

میں کس کی پرستش کی ہے۔وہ جانتے تھے کہ اس کا حکم ازلی ہے کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔خدا جس شئ کا حکم دیتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے......صورتوں کو بقا و دوام کب ہے،موسی نے جلا دینے میں جلدی کی،ورنہ گوسالہ کی صورت تو جانے والی ہی تھی۔ موسی پر غیرت نے غلبہ کیا اس لیے اسے جلا دیا پھر اس کی راکھ دریا میں بہادی اور سامری سے فرمایا انظر الی الھك ’’اپنے معبود کو دیکھ‘‘ یہ متنبہ کرنے کے لیے فرمایا حالانکہ وہ جانتے تھے کہ یہ بھی جلوہ گاہ الوہیت میں سے ایک جلوہ گاہ ہے‘‘

مسئلہ وحدۃ الوجود کو الحاد و زندقہ ثابت کرنے کے لیے اعظمی صاحب نے اسی قسم کی چیزیں جمع کی ہیں،ظاہر ہے کہ یہ سب باتیں غلط ہیں،جس ہندوستانی صوفی کی عبارت انہوں نے نقل کی ہے،ہم اس سے اپنی برأت کرتے ہیں،وہ ہرگز قابل اعتبار نہیں ہے،شیخ اکبر کی عبارت مشکوک ہے،فتوحات وفصوص میں تحریفات ہوئی ہیں،استدراک میں ہم اس کو امام شعرانی کے حوالے سے واضح کر چکے ہیں۔

شبلی نے سوانح مولانا روم میں،مولانا روم کے افکار کا جائزہ لیتے ہوئے،مثنوی کے ان اشعار کی تشریح کی ہے جو وحدۃ الوجود کے موضوع پر ہیں۔شبلی نے وحدۃ الوجود کے مسئلہ کو بڑی عمدگی سے واضح کیا ہے،حالانکہ وہ حلقۂ تصوف کے آدمی نہیں تھے۔اس مسئلے پر شبلی کی رائے بالکل غیر جانب دارانہ رائے ہے۔اعظمی صاحب نے علامہ شبلی کی تحریر نقل کی ہے اور اس کا رد کیا ہے۔ قارئین پہلے شبلی کی تحریر ملاحظہ کریں:

’’حقیقت یہ ہے کہ وحدۃ الوجود کے بغیر چارہ نہیں،اس مسئلہ کو سمجھنے کے لیے پہلے مقدمات ذیل کو ذہن نشیں کرنا چاہیے:

(۱) خدا قدیم ہے۔

(۲) قدیم حادث کی علت نہیں ہوسکتا،کیونکہ علت اور معلول کا وجود ایک ساتھ ہوتا ہے،اس لیے اگر علت قدیم ہے تو معلول بھی قدیم ہوگا۔عالم حادث ہے۔

اب نتیجہ یہ ہوگا کہ خدا عالم کی علت نہیں ہوسکتا،کیونکہ خدا قدیم ہے اور قدیم حادث کی علت نہیں ہوسکتا اور چونکہ عالم حادث ہے اس لیے اس کی بھی علت نہیں ہوسکتا۔

اس اعتراض سے بچنے کے لیے ارباب ظاہر نے یہ پہلو اختیار کیا ہے کہ خدا کا ارادہ یا اس ارادہ کا تعلق حادث ہے، اس لیے وہ عالم کی علت ہے،لیکن پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا کے ارادہ یا ارادے کے تعلق کی علت کیا ہے؟ کیونکہ جب ارادہ اور اس کا تعلق حادث ہے تو وہ علت کا محتاج ہوگا اور ضرور ہے کہ یہ علت بھی حادث ہو،کیونکہ حادث کی علت بھی حادث ہی ہوتی ہے اور چونکہ علت حادث ہے تو اس کے لیے علت کی ضرورت ہوگی۔اب یہ سلسلہ اگر الی غیر النہایہ تک چلا جائے تو غیر متناہی کا وجود لازم آتا ہے جس سے متکلمین اور ارباب ظاہر کو انکار ہے اور اگر کسی علت پر ختم ہو تو ضرور ہے کہ یہ علت قدیم ہو،کیونکہ حادث ہوگی تو پھر

سلسلہ آگے بڑھے گا، قدیم ہونے کی حالت میں لازم آئے گا کہ قدیم حادث کی علت ہو اور یہ پہلے ہی ثابت ہو چکا ہے۔اس بنا پر تین صورتوں سے چارہ نہیں۔

۱۔عالم قدیم اور ازلی ہے اور باوجود اس کے خدا کا پیدا کیا ہوا ہے۔لیکن جب خدا بھی قدیم اور ازلی ہے تو دو ازلی چیزوں میں سے ایک کو علت اور دوسرے کو معلول کہنا ترجیح بلا مرجح ہے۔

۲۔عالم قدیم ہے اور کوئی اس کا خالق نہیں۔یہ ملحدوں اور دہریوں کا عقیدہ ہے۔

۳۔عالم قدیم ہے، لیکن وہ ذات باری سے علیحدہ نہیں، بلکہ ذات باری ہی کے مظاہر کا نام عالم ہے۔

حضرات صوفیہ کا یہی مذہب ہے، اس پر کوئی اعتراض لازم نہیں آتا۔کیونکہ تمام مشکلات کی بنیاد اس پر ہے کہ عالم اور اس کا خالق دو جداگانہ چیزیں اور ایک دوسرے کی علت و معلول ہیں۔غرض فلسفہ کی رو سے صوفیہ کے مذہب کے بغیر چارہ نہیں۔ البتہ یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ شریعت اور نصوص قرآنی اس کے خلاف ہیں، لیکن یہ شبہ بھی صحیح نہیں۔قرآن مجید میں بکثرت اس قسم کی آیتیں موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ظاہر و باطن اول و آخر جو کچھ ہے، خدا ہی ہے۔ھو الاول والاخر والظاھر والباطن"۔

علامہ شبلی کی اس وضاحت پر اعظمی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"مولانا شبلی کا یہ خیال محل نظر ہے۔نصوص قرآنی سے اس غیر اسلامی نظریے کا اثبات تو کجا؟ اس کی تردید ہوتی ہے۔ افسوس ہے کہ صوفی علما کی طرح مولانا شبلی بھی سورۂ حدید کی آیت: هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ (آیت: ۳) کا مفہوم سمجھنے سے قاصر رہے، اگر انہوں نے اس آیت کے دوسرے فقرے ھو بکل شئ علیم پر جسے انہوں نے نقل نہیں کیا ہے، غور کر لیتے تو آیت کا مفہوم واضح ہو جاتا کہ اس سے مراد احاطۂ علمی ہے یعنی کوئی چیز خدا کے دائرۂ علم سے باہر نہیں ہے۔وہ غیب و شہادت دونوں کا بخوبی علم رکھتا ہے۔جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ہے: وَاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝١٢ —(الطلاق)"

اعظمی صاحب کا یہ خیال کہ آیت مذکورہ میں شبلی نے غلطی کی ہے اور اس آیت میں اللہ تعالی کے احاطۂ علمی کا بیان ہے، غلط ہے، کیونکہ نحو اور قواعد کی رو سے معطوف معطوف علیہ کا غیر ہوتا ہے اور الفاظ اور جملوں کے درمیان "وٗ" آنے سے مضمون مختلف ہو جاتا ہے۔

اولاً تو چاروں صفات الہی اول، آخر، ظاہر، باطن کے درمیان "وٗ" لایا گیا ہے ثانیاً ھو بکل شئ علیم سے قبل واوَ ہے، چاروں صفات یہاں پر بکل شئ علیم کی دلیل بھی نہیں بنتی ہیں۔اعظمی صاحب نے آیت مذکورہ کا ترجمہ کر کے اپنی بات واضح نہیں کی۔ترجمہ یوں ہوگا۔

"وہی اول اور وہی آخر اور وہی ظاہر اور وہی باطن ہے اور وہ ہر چیز سے باخبر ہے"

ترجمہ سے کہاں واضح ہوتا ہے کہ پوری عبارت سے احاطۂ علمی مراد ہے؟۔اللہ تعالی کے احاطۂ علمی سے کس کو انکار ہے؟

سورۂ طلاق کی آیت نقل کر دینے سے بات نہیں بنتی ہے، صرف ھو بکل شئ علیم سے احاطۂ علمی مراد ہوگا۔ واؤ کے آجانے سے آیت کریمہ کے اس ٹکڑے کا مضمون ماقبل کے جملے سے الگ ہوگیا اور یہ بھی واضح ہوگیا کہ اللہ تعالی کی اولیت، آخریت، ظاہریت اور باطنیت اس کے ہر چیز سے باخبر ہونے کی دلیل نہیں ہے، یعنی یہ کہ اللہ تعالی چونکہ اول آخر اور ظاہر و باطن ہے، اس لیے ہر چیز سے باخبر ہے۔ نہیں، یہ مفہوم یہاں مراد نہیں ہے، اس کی کوئی صفات کسی ظاہری سبب کی محتاج نہیں ہے۔ وہ علی الاطلاق علیم وخبیر سمیع و بصیر ہے۔

تصوف کی مخالفت میں اعظمی صاحب کا قلب و ذہن اس قدر مشغول و منہمک ہے کہ انہوں نے غور نہیں کیا، چاروں صفات باری کے مفہوم میں تضاد پایا جارہا ہے، اول، آخر کی ضد ہے، ظاہر، باطن کی ضد ہے، یہ کیسے ممکن ہے کہ جو چیز اول ہو وہ آخر بھی ہو جو چیز ظاہر ہے اس کو پوشیدہ کیسے کہیں گے؟ موجودات میں جو چیز وجود میں پہلی ہو وہ وجود میں آخری نہیں ہوسکتی، جو چیز اپنے وجود کے اعتبار سے نمایاں اور ظاہر ہو وہ بحیثیت ظاہر پوشیدہ نہیں ہوسکتی۔

اعظمی صاحب قرآن فہمی میں خود کو بیضاوی و زمخشری سے کم نہیں سمجھتے، رازی و غزالی ان کے سامنے شاید طفل مکتب ہوں۔ وہ بتائیں کہ ''اول و آخر اور ظاہر و باطن'' کا تضاد ظاہری و معنوی کیسے ہوگا؟ صرف یہ کہہ دینا کہ اس سے احاطۂ علمی مراد ہے کافی نہیں، ان کے مقلدین ومعتقدین، ''مستند ہے ان کا فرمایا ہوا'' کے مطابق یہ ''تحقیق'' بھی تسلیم کرلیں، لیکن جن لوگوں کو وہ ''شرک والحاد'' کا مرتکب قرار دینے کی سعئ لاحاصل میں لگے ہونے پر مطمئن ہوں؟ حقیقت وہی ہے جو شبلی نعمانی نے لکھی ہے اور جو صوفیہ صافیہ سمجھتے ہیں، ہر اول و آخر میں اس کے جلوؤں کا ظہور اور ہر ظاہر و باطن میں اس کے مظاہر کی نمود ہے۔

یہاں شبلی کی بعض عبارتوں کی تحلیل کر کے دیکھیں مثلاً ''قدیم حادث کی علت نہیں ہوسکتا، کیونکہ علت اور معلول کا وجود ایک ساتھ ہوتا ہے'' اب اگر یہ کہیں کہ مخلوقات حادث ہیں، فنا پذیر ہیں، پیدا کی گئی ہیں، ان کی تخلیق کا سبب اللہ کی ذات ہے تو مخلوقات معلول ہوئیں اور اللہ کی ذات علت ہوئی، اس اعتبار سے مخلوقات کا وجود اور خالق کا وجود یعنی وجود باری ایک ساتھ ہونا چاہیے، تو خالق ومخلوق دونوں حادث ہوئے۔ کیا اعظمی صاحب اس کو تسلیم کرنے کو تیار ہیں؟

اعظمی صاحب یقیناً اس پر ایمان رکھتے ہوں گے کہ اللہ کی ذات قدیم اور ازلی ہے، حادث نہیں ہے، تو اس کو عالم کی علت ماننے سے عالم بھی قدیم اور ازلی ہوگا، اس اعتبار سے دو ازلی چیزوں کے وجود میں آنے سے ایک کو علت اور دوسرے کو معلول نہیں کہہ سکتے، کیونکہ دونوں تو ازلی ہیں، نہ ان کا آغاز تخلیق معلوم کیا جاسکتا ہے اور نہ ان کو علت ومعلول سے تعبیر کریں گے، جب یہ بات طے ہے کہ قدیم سے حادث کا ظہور نہیں ہوسکتا اور حادث سے قدیم ظاہر نہیں ہوگا تو اللہ کو خالق کائنات کہنا بھی صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ ذات باری تعالی کا قدیم اور ازلی ہونا ہر شبہ سے بالاتر ہے اور کائنات کا حادث اور مخلوق ہونا تو مشاہدے سے ثابت شدہ ہے۔

دوسرا نتیجہ یہ ہوا کہ عالم قدیم ہے اور کوئی اس کا خالق نہیں ہے یہ ملحدوں اور دہریوں کا مذہب ہے، تیسرا نتیجہ وہی ہے جس کو صوفیہ تسلیم کرتے ہیں اور منکرین تصوف اس کا انکار کرتے ہیں۔

کیا اعظمی صاحب کو اس بحث کے تینوں نتائج سے انکار ہے؟ کیا وہ عالم کو قدیم سمجھتے ہیں؟ اگر وہ عالم کو حادث اور اللہ کو قدیم کہتے ہیں تو اس پر وارد ہونے والے اعتراض کو انہوں نے دور کر دیا؟ کیا اعظمی صاحب علت ومعلول کے درمیان مغایرت کے قائل ہیں؟ اگر ان کے نزدیک خالق کائنات اور کائنات دو جداگانہ چیزیں ہیں تو اس پر پیش کردہ اشکال پر انہوں نے غور کرلیا؟ صوفیہ کے اصل مسئلہ پر تو مسٹر اعظمی نے کوئی گفتگو ہی نہیں کی ہے اور نہ وحدۃ الوجود کے مسئلہ میں شبلی کے بیان کردہ "مقدمات"، "بحث" اور "نتائج" پر اپنی ناقدانہ رائے ظاہر کی، صرف صوفیہ کی مذمت میں اور وحدۃ الوجود کو غیر اسلامی قرار دینے میں لگے رہے ہیں، یہ اہل علم کا طریقہ نہیں ہے۔ اہل علم پر اعتراض کا شوق ہے تو طریقہ بھی اہل علم کا اختیار کرنا چاہیے۔ شبلی نے اختصار کے ساتھ دلائل کی روشنی میں گفتگو کی ہے۔ اس کا جواب یا اس کا رد اسی سطح پر ہونا چاہیے تھا۔

اعظمی صاحب نے "اقبال اور وحدۃ الوجود" کے نام سے اپنی کسی کتاب کی عبارت نقل کی ہے۔

"جب خدا کے علاوہ یہاں کوئی چیز موجود ہی نہیں ہے تو پھر مظاہر پرستی کو کس طرح غلط کہا جاسکتا ہے، پھر ان مظاہر کی اصل وعین خدا ہی ہے اس لیے اس کی پرستش دراصل خدا کی پرستش ہے، کیونکہ یہاں غیر خدا کا کوئی وجود ہی نہیں ہے"

اعظمی صاحب نے اپنی ہی کتاب کا حوالہ دے کر شاید قارئین کو یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ وحدۃ الوجود کے باطل ہونے پر ان کی تحقیق بڑی مکمل ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کی تحریر مکمل یا نامکمل کیا؟ سرے سے صحیح نہیں ہے۔ خدا کے علاوہ جو چیز موجود ہے وہ حادث ہے، اگر چہ اس کی علت قدیم ہے۔ حادث ہونے کے باوجود عالم اس کی ذات سے علیحدہ نہیں، اسی کا مظہر ہے۔ مظاہر پرستی اس لیے غلط ہے کہ مظاہر فقط مظاہر ہیں، الہ نہیں ہیں۔ ان کی پرستش خدا کی پرستش نہیں ہے۔ مظاہر ذات ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وجود باری تعالی نعوذ باللہ منقسم ہو کر تمام مظاہر میں سرایت کیے ہوئے ہے، اس لیے ہر چیز خدا ہے اور اس کی پرستش کی جاسکتی ہے۔ منکرین تصوف نے وہ بات سمجھ لی جو صوفیہ نہیں کہتے ہیں۔ مظاہر اس کی ہر ذات وصفات کا آئینہ ہیں، جس طرح آئینے میں، آئینہ دیکھنے والے کی ذات بھی ظاہر ہوتی ہے اور بعض صفات بھی، عالم کو خدا سے جو نسبت ہے وہ بے چون و بے چگون ہے، اس کا تعیین نہیں کیا جاسکتا، یہاں کیف وکم کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ مولانا روم تو یہی فرماتے ہیں۔ ذات باری نہ تقسیم ہوسکتی ہے اور نہ کسی میں سرایت کرسکتی ہے، دونوں باتیں صوفیہ کے یہاں ممنوع ہیں۔ وجود عالم کے قیام و بقا میں اللہ کے تعلق کی کوئی ایسی نسبت کارفرما ہے جس کے بغیر قیام و بقا ممکن نہیں تھا، اس کو تسلیم کرنا ضروری ہے ورنہ عالم کو قدیم و ازلی کہنا پڑے گا، یا اللہ تعالی کو بھی عالم کے ساتھ حادث کہنا ہوگا اور دونوں باتیں صحیح نہیں ہیں۔ پوری بحث گزر چکی ہے۔

ظہور ذات سے حلول ذات سمجھ لینا منکرین تصوف کی عقل کا پھیر ہے۔جس طرح آفتاب کا طلوع ہونا، اپنے مطلع پر اس کی ذات وصفات کا ظہور ہے، اس ظہور کو سطح ارض پر تنزل اور اشیائے ارضی میں حلول نہیں کہا جا سکتا اور نہ اس کے عکوس وظلال کو آفتاب کہیں گے، ان عکوس وظلال کے حرکت وسکون کی ذمہ داری بھی آفتاب پر نہیں ہے، فقط ان کا وجود ظہور آفتاب کی بنا پر ہے، اسی طرح وجود مطلق کی تجلی خاص نے عالم تکوین کو وجود بخشا، وہ وجود مطلق نہ مقام الوہیت سے نزول کر کے مظاہر تک آیا، نہ مظاہر میں اس کا حلول ہوا، نہ اس کی ذات مطلق غیر مقید نے کسی مظہر میں سرایت کی، اس کی تجلی خاص کے عکوس وظلال اس کی ذات وصفات کے مظاہر ہیں، جب آفتاب جو اس کی قدرت مطلقہ کا ادنی سا اشارہ ہے نزول وحلول کے بغیر عکوس وظلال میں کارفرما ہے، تو وہ وجود مطلق کیوں نہیں عالم تکوین میں بغیر کسی تنزل وحلول کے کارفرما ہو سکتا ہے؟ یہی اس کا ظہور ہے جس کو ناسمجھوں نے حلول وسرایت سمجھ لیا۔ واللہ اعلم باسرارہ۔ تجلی حق کے عکوس وظلال وجود مطلق کی طرح بالاصالۃ وجود نہیں رکھتے، اس لیے کالعدم ہیں، لیکن وجود عارضی کا کون انکار کرتا ہے؟ وجود حقیقی تو اللہ ہی کا ہے اور اس میں کوئی شریک نہیں ہے۔

وحدۃ الوجود کو جس انداز میں منکرین تصوف کے ترجمان اعظم مسٹر اعظمی نے پیش کیا ہے، اس کو پڑھ کر وہ لوگ جن کی نظر صوفیوں کے حالات پر نہیں ہے، وہ شدید غلط فہمی کا شکار ہوں گے، وہ یہ سمجھیں گے کہ صوفیہ، ملحدین اور مشرکین کی ایک جماعت کا نام ہے، ان لوگوں کا اللہ، رسول اور قرآن پر ایمان نہیں، شریعت اور احکام شریعت سے ان لوگوں کا کوئی تعلق نہیں ہے، عجب نہیں کہ ان کی تحریر سے بعض لوگ اسی نتیجے پر پہنچے ہوں، مسٹر اعظمی نے نہ جانے کتنے مسلمانوں کو سوءِ ظن کے گناہ میں مبتلا کیا ہوگا۔

اہل تصوف کی کتابوں سے ان کے عقائد ونظریات واضح ہیں، ان کے عقائد وہی ہیں جو سلف صالحین سے ثابت ہیں۔ عقائد واعمال کے تمام اصول وفروع میں وہ کتاب وسنت پر عامل رہے اور ہمیشہ اسلام کی دعوت دیتے رہے، انہی کی دینی تحریک ہندوستان میں اسلام کے وجود وبقا کی مرہون منت ہے، انہوں نے مسلمانوں کو ہمیشہ تقوی، خوف خدا، خلوص وللہیت اور احکام شریعت پر عمل کی ترغیب دی، ان کی تصنیفات آج بھی لوگوں کے لیے ہدایت واصلاح کا سبب ہیں، وحدۃ الوجود کا نظریہ اگر صوفیہ کے ہاں عملاً موجود ہوتا تو وہ نہ مشرکین کو داخل اسلام کرتے نہ اسلام کی اشاعت وحمایت میں اپنا وقت صرف کرتے اور نہ اپنے مریدوں کو ذکر وعبادت کی تلقین کرتے۔ ایمان کی تکمیل کے لیے وحدۃ الوجود کے مسئلہ کو جاننا اور ماننا ہرگز ضروری نہیں ہے، تمام صوفیہ نظری اعتبار سے توجودی نظر آتے ہیں لیکن عملاً وہ شہودی ہیں، وحدۃ الشہود پر تو منکرین تصوف کو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ استدراک میں ہم نے شیخ اکبر کے عقائد نقل کر دیے ہیں، ان کی پوری عبارت میں کہیں پر یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ ہر چیز میں خدا ہے۔ یا ہر چیز خدا ہے اس عبارت پر قارئین پھر ایک نظر ڈال لیں۔ صوفیہ کو سب وشتم کرنا بذات خود گمراہی ہے۔ منکرین تصوف ضال ومضل ہیں۔ مسلمانوں کو ان سے اختلاط اور ان کے افکار کے مطالعہ سے دوری اختیار کرنی چاہیے۔

سلف صالحین کو برا کہنا قرب قیامت کی علامات میں ہے: لعن آخر ھذہ الامۃ اولھا (بخاری) ترجمہ: اس امت کے آخری لوگ

اگلوں کولعن کریں گے۔اسلاف پراس بدتہذیبی کے ساتھ اعتراض وتنقیداوران سے بے اعتمادی ملت اسلامیہ کاعظیم فتنہ ہے۔

مسٹرالطاف احمداعظمی نے جابجااقبال کی تحریر سے خیالات باطلہ اورنظریات واھیہ کومؤید کیاہے،منکرین تصوف کوخوب وکیل ملاہے،اقبال کاحوالہ پیش کرناایساہی ہے جیسے مریض کوایکسپائر دوادی جائے،اقبال کے یہ خیالات اس دور کے ہیں جب وہ تصوف،صوفیہ اوروحدۃالوجود کے خلاف تھے،ان کی اس دورکی تحریرتصوف کےخلاف قابل اعتبارہی نہیں۔مسٹراعظمی کویہ مقولہ اورنظریہ یادرکھناچاہیے تھا:العبرۃ بالخواتیم۔

اقبال کانظریہ وحدۃالوجودان کے اشعارمیں ملاحظہ کیجئے:

برسر این باطل حق پیرہن ۞ تیغ لاموجود الا ہو بزن

ازضمیر کائنات آگاہ اوست ۞ تیغ لاموجود الااللہ اوست

چسان مومن کندپوشیدہ رافاش ۞ ز لاموجود الا اللہ دریاب

یہ تووحدۃالوجود سے متعلق تین اشعاربطورنمونہ ہیں،سیرحاصل گفتگو کی یہاں ضرورت نہیں،یہی توصوفیہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ کےسوا کچھ موجودنہیں۔اقبال جیسامفکرعظیم وحدۃالوجودکامخالف ہوکرپھرمؤیداورقائل ہوجائے،منکرین تصوف کے لیے درس عبرت ہےاورصوفیہ کے بارے میں ان کے جتنے اشعارہیں،وہ ان کی کتابوں میں موجودہیں،انہی صوفیہ سے وہ اظہارعقیدت کرتے ہیں جن کوشرک والحاد کاذمہ دارقراردینے میں اعظمی کوکوئی جھجک نہیں ہوئی۔’’مثنوی پس چہ باید کرد‘‘’’جاویدنامہ‘‘، ’’اسرار بےخودی‘‘’’رموز بےخودی‘‘’’بانگ درا‘‘دیکھ لیجئے اورمسٹرالطاف احمداعظمی کی تحقیق کی داددیجیے۔ٹوٹی ہوئی شاخ پر آشیانہ بنانے کی کوشش کی ہے۔نتیجہ ظاہرہے۔تصوف کےخلاف اقبال کاکوئی حوالہ ان کےکام نہیں آیا۔

یہ چندسطریں محض صوفیہ صافیہ متقدمین رحمہم اللہ کےخلاف الزمات رفع کرنے کے لئے لکھی گئی ہیں اورتصوف کے دفاع میں سپردقلم کی گئی ہیں ورنہ راقم السطوراس میدان کا آدمی نہیں ہے،تلخ نوائی کے لیے معذرت۔

احب الصالحین ولست منهم
لعل الله یرزقنی صلاحا

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

___(مکمل)

حضرت وصی پھلواروی حیات اور شاعری

● حضرت مولانا سید شاہ محمد وجہ اللہ قادری پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ

صاحب مضمون رحمۃ اللہ علیہ کے صاجزادۂ گرامی سید یداللہ قادری نے اپنے والد گرامی کے پیش نظر مضمون اور ان کی دیگر قلمی مسودات کو خلوت شریف میں پیش کیا تھا، بحکم سرپرست مجلہ زیب سجادۂ مجیبی جناب حضور حضرت مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی افادۂ عام کی غرض سے قارئین کے ذوق مطالعہ کی نذر ہے —(ادارہ)

صوبہ بہار کے علمی وروحانی مرکز پھلواری شریف صوفیائے کرام اور اہل طریقت کی بڑی قدیم آماجگاہ ہے۔ یہاں فقراء صوفیاء اور مشائخ کا ہر دور میں اجتماع اور مرجوعہ رہا ہے۔ خانقاہ مجیبیہ کے بانی آفتاب طریقت شیخ الزماں تاج العارفین حضرت مخدوم سید شاہ محمد مجیب اللہ قادری جعفری زینبی پھلواروی کی شخصیت روحانی فیوض و برکات کا سرچشمہ رہی ہے اور آج بھی ان کی خانقاہ اپنی تمام روایات مقدسہ کے ساتھ قائم و برقرار ہے۔

پھلواری شریف سے علمائے دین ومشائخ طریقت کی ایک کہکشاں آسمان علم وادب کو ہر دور میں نورافشاں کئے رہیں حضرت شورش، حضرت طلعت، حضرت ثروت، حضرت فرد، حضرت آشا، حضرت نعمتی، حضرت جنوں، حضرت نصر، حضرت بدر، حضرت محی، حضرت نیر سے لے کر عصر حاضر تک شعراء نے فارسی شعروادب کی پرورش میں اپنے خون جگر صرف کئے ہیں۔ حضرت مولانا سید شاہ وصی احمد وصیؔ پھلواروی بھی انہیں باکمال شعراء کے صف میں موجود ہیں جنہوں نے فارسی زبان میں معیاری غزلوں، رباعیوں، قطعوں اور نظموں کا نہایت قیمتی سرمایہ چھوڑا ہے۔

ولادت:

حضرت وصی بارہویں صدی ہجری کے بزرگ ہیں۔ ولادت: ۳۰/ذی الحجہ ۱۲۲۶ھ میں اپنے وطن پھلواری شریف میں ہوئی۔ حضرت وصی کا خاندان جعفری وزینبی ہے۔ سلسلۂ نسب حضرت سیدنا جعفر طیار تک اس طرح پہونچتا ہے:

حضرت شاہ وصی احمد وصیؔ بن حضرت شاہ ابوالقاسم جوشؔ بن حضرت شاہ شمس الدین طلعتؔ بن حضرت شاہ احمد عبدالحی بن

حضرت تاج العارفین مخدوم شاہ محمد مجیب اللہ بن شاہ ظہور اللہ بن امیر کبیر الدین بن امیر رکن الدین بن امیر محمد حسین بن خواجہ امیر عطاء اللہ جعفری زینبی بن شاہ سعد اللہ بن شاہ فتح اللہ بن محب اللہ بن محمد بن سمین بن امین بن ابراہیم بن عمر دراز بن عبد اللہ بن محمد الاکبر العالم المحدث بن اسمعیل بن جعفر السید بن ابراہیم الاعرابی بن محمد الاریس بن سید علی الزینبی بن عبد اللہ الجواد بن سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہم۔

حضرت وصی مادری جانب سے بھی جعفری زینبی ہیں۔آپ کی والدہ کا سلسلۂ نسب حضرت تاج العارفین مخدوم پیر مجیب اللہ سے ایک ہو جاتا ہے۔

حضرت وصی نے جب آنکھیں کھولیں اور ہوش سنبھالا تو اپنے وطن پھلواری کا چپہ چپہ اور گوشہ گوشہ علم وعمل، فقر وعرفان، شعر وادب، سخنوری وسخن دانی کے پھولوں سے آراستہ و پیراستہ نظر آیا جس کی تعریف میں خود حضرت وصی یوں ترانہ سنج ہیں ؎

تافت چوں آفتاب پھلواری ۞ شد فزوں آب وتاب پھلواری
قصبۂ ناجیہ و بوستان نجات ۞ ہست نام وخطاب پھلواری
بہر تشریف موئے پاک رسول ۞ شد بجنت حساب پھلواری
فتح باب علوم اندر ہند ۞ گشت از فتح باب پھلواری
از سعادت یافت بہرہ ہزار ۞ ہر کہ شد بہرہ یاب پھلواری
در علوم وفنون ہست کمال ۞ در ہمہ شیخ و شاب پھلواری
محترم ہست، ہمچو صید حرم ۞ ہر طیور و دواب پھلواری
پیش زاب حیات چوں کوثر ۞ خوش گوار است آب پھلواری
آب کوثر دمیکہ نوش کنم ۞ یاد ناید جز آب پھلواری

وہ چہ پرسی ززاد بوم وصیؔ
ہست عالی جناب پھلواری

تحصیل علم:

چار سال کی عمر میں آپ کے نانا حضرت شیخ العلمین قطب الاقطاب مخدوم سید شاہ محمد نعمت اللہ قادری پھلواروی نے آپ کی مکتب پڑھائی۔ابتدا میں تبرکاً حضرت سید العلماء استاذ الکل مولانا احمدی پھلواروی کے حلقۂ درس میں بیٹھائے گئے اور ابتدائی کتابیں انہی سے پڑھیں۔

جب مطولات پڑھنے کا دور آیا تو اپنے چھوٹے ماموں حضرت استاذ العلماء مولانا محمد حسین پھلواروی کی خدمت میں

پہنچے اور تفسیر وحدیث فقہ وعقائد منطق وفلسفہ کی ساری درسی کتابیں اپنے ماموں سے سبقاً سبقاً پڑھ کر تمام کیں۔ ۲۳ سال کی عمر میں ۲۰؍جمادی الاولی میں آپ کے استاذ محترم اور والد ماجد نے علماء خاندان کی موجودگی میں آپ کے سر مبارک پر دستار فضیلت باندھی۔

بیعت واجازت:

بیعت اپنے نانا حضرت شیخ العلمین کے دست مبارک پر سلسلۂ قادریہ وارثیہ مجیبیہ میں چودہ سال کی عمر میں کی اور اپنے بڑے ماموں حضرت فرد الاولیاء مخدوم شاہ محمد ابوالحسن فرد قادری پھلواروی سے اور اپنے والد ماجد سے جمیع سلاسل کی اجازت وخلافت حاصل کی اور علم باطنی کی تحصیل وتکمیل بھی انہیں دونوں بزرگوں سے کی۔

شاعری:

شعر وشاعری حضرت وصی کے خاندان اور گھر کی چیز تھی۔ والد ماجد اور جد امجد قادر الکلام اور صاحب دیوان شاعر تھے۔ ان کے علاوہ خاندان کے تمام اکابرین شعر وسخن کا ذوق رکھتے تھے۔ حضرت وصی کو بھی یہ ذوق وراثتاً عطا ہوا تھا۔ اور آپ نے اپنی فطری مناسبت سے آغاز شباب ہی میں اس دنیا میں قدم رکھ دیا تھا۔

مولانا حکیم محمد شعیب رضوی پھلواروی اپنی کتاب تذکرہ شعرائے پھلواری (قلمی) میں آپ کی شاعری کے متعلق یوں رقم طراز ہیں۔

> ''مولانا شاہ وصی احمد بن مولانا شاہ ابو القاسم جوشؔ بن مولانا شاہ شمس الدین طلعتؔ بڑے عالم وفاضل اور عارف کامل تھے۔ شاعری اور فن عروض اپنے بڑے ماموں حضرت فرد سے سیکھی اور اپنے والد سے بھی غزلوں کی اصلاح لیتے رہے۔ دونوں بزرگوں کی توجہ سے اس فن میں آپ کو کمال پیدا ہوگیا۔ آپ کا دیوان فارسی اور اردو دونوں زبان میں موجود ہے''۔۔۔(تذکرہ شعرائے پھلواری قلمی ص: ۲۴۷)

حکیم موصوف کی اس تحریر سے ظاہر ہے کہ آپ حصول شاعری کے لئے اپنے بڑے ماموں حضرت فرد کی خدمت میں حاضر ہوئے جو آپ کے مرشد اور جانشین شیخ بھی تھے اور اپنے دیگر علمی وروحانی کمالات کے علاوہ فن عروض وشاعری میں بھی فرد زمانہ تھے اور بقول حسرت عظیم آبادی سرزمین ہند میں امیر خسرو دہلوی کے بعد بزم غزل خوانی کے مسند نشیں تھے۔

در زمین ہند حسرتؔ بعد خسرو ہمچو فرد
در گمان مانشد پیدا غزل خوانے دیگر

جب اپنے وقت کے استاذ الشعراء حضرت فرد پھلواروی نے آپ کو اپنے حلقۂ تلمذ میں لیا اور آپ کی طبیعت بھی بچپن سے اس کی جانب مائل تھی تو ان دونوں چیزوں نے مل کر سونے پر سہاگہ کا کام کیا اور بہت جلد ہی حضرت وصی نے اس فن کو

یہ تمام وکمال حضرت فردؔ کی توجہ سے حاصل کیا اور اپنے وقت کے قادر الکلام شاعر اور ماہر عروض کی حیثیت سے مشہور ہوئے اور پھلواری کے بہتیرے افراد نے اس کے لئے آپ کی شاگردی اختیار کی۔حضرت امیر شریعت اول مولانا شاہ محمد بدرالدین بدرؔ پھلواروی اور حضرت مولانا شاہ محمد سلیمان حاذقؔ پھلواروی بھی حصول شاعری کے لئے آپ ہی کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور اس فن کو آپ سے حاصل کیا تھا۔

فارسی زبان پر حضرت وصیؔ کی قدرت اور عبور کا اندازہ حافظؔ و جامیؔ جیسے شعراء ایران کی زمینوں میں طبع آزمائی سے کیا جاسکتا ہے۔حضرت وصی کا شعری ذوق اتنا اعلیٰ تھا جو مضمون آفرینی اور پرواز خیال اور علوئے فکر سے ظاہر ہے۔حافظ کی ایک غزل مثال کے طور پر پیش کی جاتی ہے۔

حافظؔ کی مشہور غزل جس کا مقطع و مطلع یہ ہے:

اے صبا گر بگذری بر ساحل رود ارس ✿ بوسہ زن بر خاک آن وادی و مشکین کن نفس

نام حافظؔ گر براید بر زبان کلک دوست ✿ از جناب حضرت شاہم بس است این ملتمس

اس زمین میں حضرت وصی کی غزل ملاحظہ ہو:

عرض حال خویش زان پیش تو میدارم ہوس ✿ کز لبت شنوم جوابے این تمنا ہست وبس

نہ سر جاہ وحشم دارم نہ بخت جم ہوس ✿ این من و این آستانت عزتم اینست وبس

بادشاہا مفلس عشقم چہ آرم ہدیہ ات ✿ نہ دلے دارم بدست و نہ بجانم دست رس

بر درت کردم دراز این ریش مویم شد سفید ✿ خدمتم این بس کہ میرویم زکویت خار وخس

می پزد سودائے وصل او دلم در سر چنان ✿ شاہبازے را چو خواہد صید خود کردن مگس

دشمنان بیداد برمن میکنند امداد کن ✿ داد میخواہم ز تو اے دادرس فریادرس

آبروئے خاکساران شعلہ خوبر باد داد ✿ رونماندہ تا نشینم بر درش یک دو نفس

در جناب فردؔ برخوان نظم حافظؔ از وصیؔ

اے صبا گر بگذری بر ساحل رود ارس

جامی کی غزل جس کا مطلع اور مقطع یہ ہے:

ہرچند ز چشم ما نہانی ✿ غم نیست چو در میان جانی

جامیؔ زغم تو بس خرابست ✿ گفتم ترا دگر تو دانی

اس زمین میں حضرت وصیؔ فرماتے ہیں:

دارم صنمے مہے جوانی ۞ باعاشق خویش مہربانی
تنگ شکر وشکر فروشے ۞ قد نیشکر وشکر دہانی
سرتا بقدم نہال خوبی ۞ خوشبوئے گلے زگلستانی
سرمایۂ ہوش وصبر عاشق ۞ آرام دل وتوان جانی
بنیاد جمال را زمینی ۞ در قدر رفیع آسمانی
در حق رقیب بد نکوظن ۞ وز عاشق نیک بدگمانی
اے عشق تو بردہ صبر وآرام ۞ تنہانہ زمن کہ از جہانی
مارا کہ دماغ برفلک بود ۞ اینک سرما وآستانی

از یک غزل وصیؔ است روشن
ناگفتہ ہزار داستانی

حضرت وصی اپنے بزرگوں کی طرح ایک صوفی شاعر، صاحب دل اور صاحب سلسلہ بزرگ تھے۔علم وعرفان کی طرح شاعری بھی ان کو ورثہ کے طور پر ملی تھی۔ان کی ان دونوں غزلوں سے جوانہوں نے حافظؔ وجامیؔ کی زمین میں کہی ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ وہ حافظؔ وجامیؔ جیسے عارفین باللہ شعراء متصرفین کی روحانیت سے فیضیاب تھے۔ان کے دیوان میں جو بات پائی جاتی ہے اس کے متعلق تعیین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ آمد ہی آمد ہے آورد کا نام تک نہیں۔

حضرت وصی نعت گو بھی تھے۔دیوانِ وصی میں ان کی کہی ہوئی نعتیہ غزلیں بھی ملتی ہیں۔ایک نعتیہ غزل جس کو خانقاہ مجیبیہ کی محافل سماع میں قوال گاتے ہیں یہ ہے:

یارب بس است مارا یک دلربا محمد ۞ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدْ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدْ
برما وجملہ عالم رحمت بود چو ذاتش ۞ اِرْحَمْ عَلٰی مُحَمَّدْ اِرْحَمْ عَلٰی مُحَمَّدْ
چوں اوسلام خواندہ برما تو نیز اے دل ۞ سَلِّمْ عَلٰی مُحَمَّدْ سَلِّمْ عَلٰی مُحَمَّدْ
اے دل اگر تو خواہی بینی جمال مطلق ۞ اُنْظُرْ اِلٰی مُحَمَّدْ اُنْظُرْ اِلٰی مُحَمَّدْ
در وصف او چہ خوانم وز نور او چہ گویم ۞ شَمْسُ الضُّحٰی مُحَمَّدْ شَمْسُ الضُّحٰی مُحَمَّدْ
خوش آن کہ بر در او خوانم چو بے نوایان ۞ یَامُصْطَفٰی مُحَمَّدْ یَامُصْطَفٰی مُحَمَّدْ
خوش دعوتے نمودی اے صد چو من فدایت ۞ لَبَّیْكَ یَا مُحَمَّدْ لَبَّیْكَ یَا مُحَمَّدْ
از کثرت حوائج من تنگ دل نباشم ۞ اِقْضِ لَنَا مُحَمَّدْ اِقْضِ لَنَا مُحَمَّدْ

یارب زنام پاکش ہر جا وصیؔ سخن زد

صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٗ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٗ

حضرت وصی کی اس نعت سے ان کے سوز دل، وارفتگی وشیفتگی کا پتہ چلتا ہے۔اپنی دوسری نعت میں وہ بارگاہ رسالت میں اس طرح اپنا حال دل پیش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں:

یک دل ہزار داغم فریادرس محمد ❁ سرتا بپا چراغم فریاد رس محمد

اے ابر رحمت تو بگذر بنخل خشکم ❁ آمد خزان بباغم فریادرس محمد

سوز تپ درونم بگداخت استخوانم ❁ بس بیدل و دماغم فریادرس محمد

درفکر جمع سامان ہستم بسے پریشان ❁ تا کے ازین فراغم فریاد رس محمد

صدرخنہ شد بدامن ازصرصر حوادث ❁ گل میشود چراغم فریادرس محمد

درفکر وصلت آخر عمر وصیؔ بسر شد

پیدا نشد سراغم فریادرس محمد

ان دونوں نعتوں کے علاوہ حضرت وصی کی اور بھی نعتیں ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت وصی اپنے پیران کرام کی تعلیمات وتوجہات کے ذریعہ بادۂ عشق نبوی سے سرشار اور بارگاہ نبوت میں شرف حضوری حاصل کئے ہوئے تھے۔

وفات:

حضرت وصی نے سرسٹھ سال کی عمر پائی۔ ۲؍ربیع الاول ۱۲۹۳ھ کو اپنے وطن میں قفس جسمانی سے نجات پاکر رفیق اعلیٰ کی رفاقت اختیار کی اور مقبرہ مجیبیہ میں اپنے پردادا حضرت شاہ احمد عبدالحی کی پہلو میں مدفون ہوئے۔آپ کے شاگرد حضرت امیر شریعت اول مولانا شاہ محمد بدرالدین قادری پھلواروی نے رحلت کی یہ تاریخ نظم فرمائی ہے:

مولوی معنوی وصی احمد ❁ عم واستادمن چو از دنیا

روز دوم مہ ربیع نخست ❁ بست رختِ سفر پئے عقبا

پیش از چند روز رحلت خود ❁ کرد تاریخ وصل خود املا

بحساب جمل چوں بدرحزین ❁ کرد اعداد آن ہمہ یک جا

بے کم وبیش بود زیب رقم ❁ عاشق صادق حبیب خدا

۱۲۹۳ھ

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

کتاب ''بہار میں اردو ادب کا ابتدائی زمانہ''
ایک تنقیدی جائزہ

● مولانا شاہ بدر احمد مجیبی

صوبہ بہار کا اردو زبان وادب سے گہرا تعلق رہا ہے، اس کو ابتدائی زمانے سے ہی اردو ادب کے ایک مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ اردو شاعری (جس کو ابتدائی دور میں ریختہ کے نام سے جانا جاتا تھا) کے گیسو کو سنوارنے میں بہار کے شعراء کا نمایاں حصہ رہا ہے۔ اردو شعراء کے قدیم تذکروں میں یہاں کے شعراء کے نام ملتے ہیں۔ متعدد تذکرہ کے مصنفین عظیم آباد آئے ہیں۔ انہوں نے یہاں کی ادبی سرگرمیاں اور شعراء کے حالات خود ملاحظہ کرکے اپنی تالیفات میں شامل کیا ہے۔

اردو شعراء اور ان کے حالات وکلام پر متعدد تذکرے فارسی میں پھر اردو میں تالیف کئے گئے ہیں۔ جن میں تذکرہ مسرت افزا، تذکرہ گلزار ابراہیم، تذکرہ گلشن سخن، تذکرہ گلشن ہند، تذکرہ رموز الشعراء (شورش)، تذکرہ شعرائے اردو (میر حسن)، تذکرہ ریاض الوفاق (حصہ اردو شعراء)، تذکرہ شمع انجمن، تذکرہ نگارستان سخن، تذکرہ نتائج الافکار (حصہ اردو شعراء)، طبقات شعرائے ہند (کریم الدین)، طبقات الشعراء (قدرت اللہ شوق)، تذکرہ شعراء (طوفان)، تذکرہ بزم سخن، تذکرہ طور کلیم، چمنستان شعراء، تذکرہ ریختہ گویاں (گردیزی)، تذکرہ سخن شعرا (نساخ)، تذکرہ عشقی، گل رعنا (حکیم عبدالحی حسنی)، شعرالہند (عبدالسلام ندوی) وغیرہ ہیں۔ یہ سب اردو شعراء کے معروف تذکرے ہیں۔ جن میں بہار کے اردو شعراء کا بھی ذکر ہے۔

خاص بہار کے اردو شعراء کے حالات پر بھی کچھ کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ جن میں عزیز الدین بلخی کی کتاب ''تاریخ شعرائے بہار'' جلد اول (۱۱۵۰ھ سے ۱۳۰۰ھ تک) مطبوعہ ۱۹۳۱ء، اختر اورینوی کی کتاب ''بہار میں اردو زبان وادب کا ارتقاء ۱۸۵۷ء تک''، مطبوعہ ۱۹۵۷ء، حکیم سید احمد اللہ ندوی کی کتاب ''تذکرہ مسلم شعرائے بہار'' پانچ جلدوں میں، مطبوعہ ۱۹۶۹ء۔ معین الدین

دردائی کا تحقیقی مقالہ ’’بہار اور اردو شاعری‘‘ جو ۱۹۴۷ء کا تحریر کردہ ہے۔ان کے علاوہ دیگر اہل علم کی کتابیں بھی ہیں۔ یہ سب کتابیں اہل علم وادب کے لئے قابل توجہ رہی ہیں۔

حکیم سید احمداللہ ندوی لکھتے ہیں۔

’’صوبہ بہار میں اردو شاعری خانقاہ میں پیدا ہوئی ،صوفیائے کرام کی گودوں میں پلی،اور ہر دوم میں اس صوبہ کی تمام خانقاہوں میں مقبول ہوتی گئی، پھر اس کی رعنائیوں اور حسین دل آویزیوں نے یہاں کے ہر طبقہ کے افراد کو اپنا گرویدہ بنالیا۔‘‘—(تذکرہ مسلم شعرائے بہار، دیباچہ جلد اول)

عزیز بلخی لکھتے ہیں۔

’’ہندوستان کی ادبی تاریخ میں عظیم آباد کو یہ بھی ایک خاص امتیاز حاصل ہے کہ سب سے پہلے یہیں کے ایک باشندہ میر غلام حسین شورش نے تقریباً ۱۱۶۵ھ میں (اس کا سال تکمیل ۱۱۹۱ھ مشہور ہے) شعرائے ریختہ کا تذکرہ ریختہ ہی میں قلم بند کیا۔‘‘—(دیباچہ تاریخ شعرائے بہار)

اختر اورینوی لکھتے ہیں۔

’’اس دیار کی شاعری میں صوفیانہ اور مذہبی رنگ غالب ہے۔مرثیے تو جذبات عقیدت وغم سے بھرے ہوئے ہیں ہی،غزلوں اور مثنویوں میں عارفانہ میلان نمایاں ہے،گو عام عاشقانہ اور منظری شاعری کی نمائندگی بھی ہوتی رہی ہے۔نثر نگاری پر بھی مذہبیت طاری ہے۔ناصحانہ، واعظانہ اور مباحثانہ نثری رسالوں کے نمونے اکثر وبیشتر ملتے ہیں۔داستانیں اور قصے بھی لکھے گئے ہیں ایک نثری داستان کا نمونہ تو میں نے پیش کیا ہے اور بعض نمونے مجھے مل نہیں سکے۔حق تو یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء تک بہار میں اردو ادب صوفیوں اور مذہبی پیشواؤں کے ہاتھ میں رہا ہے‘‘

—(بہار میں اردو زبان وادب کا ارتقاء ۱۸۵۷ء تک ص ۴۱۵)

ہمارے قدیم دوست جناب پروفیسر حسین احمد صاحب (درگاہ شاہ ارزاںؒ) کی اردو ادب کی تاریخ پر ایک نئی کتاب طبع ہو کر منظر عام پر آئی ہے۔جس کا نام ہے ’’بہار میں اردو ادب کا ابتدائی زمانہ‘‘۔پیش نظر یہی کتاب ہے جس کا ایک تنقیدی جائزہ مقصود ہے۔

ڈاکٹر حسین احمد صاحب نے اپنی اس تصنیف کا خاکہ اس طرح پیش کیا ہے۔

مکمل تاریخ ادب اردو بہار تین جلدوں میں لکھنے کا ارادہ ہے۔پہلی جلد ابتداء سے ۱۸۵۷ء تک، دوسری ۱۸۵۸ء سے ۱۹۴۷ء تک اور تیسری ۱۹۴۸ء سے آج تک۔پہلی جلد ’’بہار میں اردو ادب کا ابتدائی زمانہ‘‘ حاضر خدمت ہے۔(ص ۹)

ڈاکٹر صاحب نے پوری کتاب کو چار ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

باب اول: بہار میں اردو نثر ۱۸۵۷ءتک۔

باب دوم: بہار میں اردو شاعری ۱۷۰۰ءتک۔

باب سوم: بہار میں اردو شاعری ۱۷۰۱ءتا۱۸۰۰ء

باب چہارم: بہار میں اردو شاعری ۱۸۰۱ءتا ۱۸۵۷ء

اسی اعتبار سے بہار میں اردو نثر اور اردو شاعری کی تفصیلات پیش کی ہیں۔ پہلے باب میں ۱۸۵۷ءتک اردو نثر کا جائزہ لیا ہے۔اس میں بتایا ہے کہ حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر، محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاء، حضرت مخدوم جہاں شرف الدین بہاری قدست اسرارہم اور متعدد بزرگان دین کے ملفوظات وغیرہ میں اردو کے بعض جملے نقل کئے گئے ہیں۔

اس کے بعد ذکر کرتے ہیں کہ حضرت دیوان شاہ ارزانی ؒ کی اردو نثر میں ایک کتاب ''پہار رما'' ہے جس کا پشتو محققین نے ذکر کیا ہے۔اسی طرح ایک کتاب ''خیر البیان'' چار زبان میں لکھی گئی ہے اس کی نسبت کسی دوسرے کی طرف ہے مگر ڈاکٹر صاحب کے بقول اکثر پشتو محققین کا کہنا ہے کہ یہ کتاب ارزانی خویشگی نے لکھ کر بایزید روشان کے نام منسوب کر دی تھی۔ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں۔

''اگر کتاب ''پہار رما'' مل جاتی ہے یا یہ طئے ہو جاتا ہے کہ ''خیر البیان'' حضرت دیوان شاہ ارزانی (م ۱۰۲۸ھ) کی تصنیف ہے تو بہار میں اردو نثر کی تاریخ کئی دوسرے صوبے سے زیادہ قدیم نظر آئے گی۔''

حضرت دیوان شاہ ارزانی قدس سرہ کی عظمت و بزرگی کو تسلیم کرنے کے باوجود یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کتابوں کی نسبت ان کی طرف ثابت نہیں ہے جس کا ڈاکٹر صاحب خود اقرار کر رہے ہیں۔جس طرح حضرت خواجہ عماد الدین قلندر قدس سرہ (م ۱۱۲۴ھ) کی طرف رسالہ ''سیدھا راستہ'' کی نسبت ثابت نہیں ہے اسی طرح ان کتابوں کا معاملہ بھی ہے لیکن ڈاکٹر صاحب بلا وجہ اس کا ذکر کر رہے ہیں، یہ خود تحقیق کے خلاف بات ہے۔

ذیل میں ہم ڈاکٹر حسین احمد صاحب کی اس کتاب ''بہار میں اردو ادب کا ابتدائی زمانہ'' کا ایک تنقیدی جائزہ لینا چاہتے ہیں۔کیونکہ اس میں بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو تحقیق کے خلاف ہیں اور جانبداری کی طرف اشارہ کر رہی ہیں بلکہ کچھ تو اختراعی نظر آرہی ہیں۔

(۱) فتاوی طریقت کا دیباچہ:

ڈاکٹر صاحب آگے لکھتے ہیں۔

''راقم الحروف کے کتب خانے میں عشق علی شاہ عرف سعد اللہ شاہ کی ایک کتاب فتاوی طریقت ہے۔

جو ۱۸۰ (ایک سو اسی) رباعیات کا مجموعہ ہے۔ جس پر انہوں نے فارسی کے ساتھ اردو میں بھی دیباچہ لکھا تھا"۔

اس کے بعد تقریباً تین صفحات میں اس اردو دیباچہ کو نقل کیا ہے۔ پھر شورش اور عشقی کے حوالہ سے عشق علی شاہ کے کچھ حالات لکھنے کے بعد تحریر کرتے ہیں۔

"فتاوی طریقت سے ۱۲۱۶ھ برآمد ہوتا ہے۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ شاہ نے ۱۲۱۶ھ میں یہ اردو دیباچہ لکھا تھا، راقم کے خیال میں صوبہ بہار کی پہلی باضابطہ اردو تحریر ہے جس پر کسی طرح شک و شبہ کی گنجائش نہیں، لیکن افسوس ہے کہ اب تک کسی محقق نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔"—(ص ۲۲)

اس پر کچھ اشکالات ہوتے ہیں۔

(الف) ڈاکٹر صاحب نے عشق علی شاہ کی شاعری کے ذکر میں بھی ان کی رباعیات کے اس مجموعہ "فتاوی طریقت" اور اس کے اردو دیباچہ کا ذکر کیا ہے، وہاں یہ بھی لکھتے ہیں کہ ان رباعیات کو ۱۲۹۰ھ میں شاہ غلام نجف نے شائع کر دیا تھا۔ (ص ۱۹۲) اگر فتاوی طریقت کی ۱۲۹۰ھ میں اشاعت ہو چکی ہے تو یہ اردو دیباچہ اس میں موجود ہے یا نہیں؟

(ب) اگر اس کتاب اور اس کے دیباچہ کی اشاعت آج سے ڈیڑھ سو سال قبل ۱۲۹۰ھ میں ہو چکی تھی تو اب تک کسی محقق نے اس کا تذکرہ کیوں نہیں کیا؟

(ج) یہ بہار میں ابتدائی اردو کا نمونہ ہے پھر بھی کسی محقق نے اس کو قابل اعتناء کیوں نہیں سمجھا؟

(د) قلمی نسخہ بھی صرف ڈاکٹر صاحب کے ذاتی کتب خانے میں ہے۔ دوسرے تمام کتب خانے اس سے محروم کیوں ہیں؟

(ہ) مطبوعہ نسخے کہاں کہاں ہیں؟ اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

اس سے اس جدید تحقیق پر قوی شبہات وارد ہوتے ہیں۔

(۲) جناب دلدار بیگ دلدار:

ڈاکٹر حسین احمد صاحب لکھتے ہیں۔

"اب تک کے دریافت تذکروں میں دلدار کا ذکر موجود نہیں ہے۔ دلدار کے کلام کے قلمی نسخہ پر

"کلام دلدار بیگ ولد محمد شفیع بیگ قادری مجیبی ساکن بھوجپور ضلع شاہ آباد مقامی آرا، یک از مریدان حضرت شاہ مجیب اللہ قادری پھلواروی بیعت ایں شاں در ۱۱۴۸ھ بر دست شاہ مجیب اللہ قدس سرہ بود۔"

لکھا ہوا ہے، کلام سے جو اندرونی شہادت ملتی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا تخلص دلدار ہے اور یہ شاہ مجیب اللہ کے مرید تھے۔ آرا میں مقیم تھے......لیکن دلدار ان خوش نصیب شاعروں میں سے ایک ہیں جن کے کلام

کو اردو و فارسی کے دیو قامت محقق قاضی عبد الودود نے ایڈٹ کیا ہے۔قاضی صاحب دلدار کے متعلق لکھتے ہیں۔

''دلدار بیگ ولد محمد شفیع بیگ ساکن بھوجپور ضلع شاہ آباد (آرا) مقیم آرا ۱۱۴۸ھ میں شاہ مجیب اللہ صاحب کے مرید ہوئے۔قطعات سے معلوم ہوتا ہے کہ تخلص دلدار تھا، شاہ صاحب کے باعقیدت مرید تھے، (قطعات ایک تا چارو باون) سال بیعت ۱۱۴۸ھ ہے۔آرا ان کا گھر تھا، (قطعہ ننانوے) اور قطعہ ۹۷ کی تصنیف کے وقت ان کی عمر ستر سے متجاوز تھی۔''—(بہار میں اردو ادب کا ابتدائی زمانہ ص ۶۴)

اردو و فارسی کے ''دیو قامت محقق'' قاضی عبد الودود صاحب کی اس تحقیق کو پیش کرنے کے بعد اب اس پر جدید محقق ڈاکٹر حسین احمد صاحب خامہ فرسائی فرماتے ہیں۔

''لیکن دلدار کا نام دلدار بیگ تھا، والد کا نام محمد شفیع بیگ اور یہ حضرت شاہ مجیب اللہ پھلواروی کے مرید تھے۔ ابھی یہ تمام باتیں تحقیق طلب ہیں۔کیونکہ قاضی صاحب نے اور ڈاکٹر بیدار نے بھی مخطوطہ پر لکھے ''نوٹ'' کو اپنا ماخذ بنایا ہے۔جس میں نہ کاتب کا نام ہے، نہ تاریخ ہے اور نہ ان تمام باتوں کی تصدیق اب تک دریافت شدہ تذکروں، بیاضوں یا تاریخ کی کتابوں سے ہوتی ہے۔پھر دلدار نے اپنا مسلک قطعہ نمبر ۱۰۳ اور کئی دوسرے قطعات میں بھی بیان کیا ہے کہ وہ شیعی یا تفضیلیہ ہے اور صوفیائے پھلواری کا شاید یہ مسلک نہیں ہے۔''—(بہار میں اردو ادب کا ابتدائی زمانہ ص:۶۵)

جناب قاضی عبد الودود صاحب بڑے محقق ہیں ان کی علمی تحقیق کو علمی وادبی دنیا تسلیم کرتی ہے۔خود ڈاکٹر صاحب نے اسی کتاب میں متعدد مقام پر ان کی تحقیق کی داد دی ہے اور اس کو تسلیم کیا ہے اور ان کو اردو و فارسی کے دیو قامت محقق قرار دیا ہے مگر یہاں پر کسی خاص پس منظر میں ان کی اس تحقیق کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے اور اس کو تحقیق طلب قرار دیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے تین چیزوں پر اشکال کیا ہے اور اس کو تحقیق طلب قرار دیا ہے (۱) دلدار کا نام دلدار بیگ تھا۔ (۲) ان کے والد کا نام محمد شفیع بیگ تھا۔(۳) یہ حضرت شاہ مجیب اللہ پھلواروی قدس سرہ کے مرید تھے۔

ڈاکٹر حسین احمد صاحب کا یہ کہنا کہ قاضی صاحب نے مخطوطہ پر لکھے ''نوٹ'' کو اپنا ماخذ بنایا ہے درست نہیں ہے۔قاضی عبد الودود صاحب نے جناب دلدار کے قطعات کو اپنا ماخذ بنایا ہے اور قطعات سے ہی انہوں نے یہ سمجھا ہے کہ وہ حضرت تاج العارفین شاہ مجیب اللہ قادری قدس سرہ کے مرید تھے اور اس کا انہوں نے حوالہ بھی دیدیا ہے۔خود ڈاکٹر حسین احمد صاحب بھی اس کا انکار کرنے سے پہلے غلطی سے یہ حقیقت بیان کر جاتے ہیں۔

''کلام سے جو اندرونی شہادت ملتی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا تخلص دلدار ہے اور یہ شاہ مجیب اللہ

کے مرید تھے۔آرا میں مقیم تھے۔" (ص ۶۴)

مگر بعد میں کسی مخفی وجہ سے اس اندرونی شہادت کا انکار کر کے اس کو تحقیق طلب قرار دیدیتے ہیں۔مگر دیو قامت محقق قاضی عبدالودود صاحب نے اس اندرونی شہادت پر ہی اپنی تحقیق کی بنیاد رکھی ہے۔

قاضی صاحب نے خانقاہ مجیبیہ سے پروفیسر حسن عسکری صاحب کے ذریعہ حضرت تاج العارفین شاہ مجیب اللہ قدس سرہ کے مریدین کی قدیم فہرست میں ان کا نام معلوم کیا اور اپنی تحقیق میں اس کا اعتبار کیا۔اس طرح انہوں نے اپنی تحقیق کی بنیاد قطعات کی اندرونی شہادت اور حضرت شاہ مجیب اللہ قدس سرہ کے مریدوں کی قدیم فہرست میں جناب دلدار کے نام موجود ہونے پر رکھی ہے۔مخطوطہ پر لکھے کسی "نوٹ" پر نہیں۔ہم قطعات دلدار کے مقدمہ سے قاضی صاحب کی اصل عبارت نقل کرتے ہیں۔

"دلدار بیگ ولد محمد شفیع بیگ ساکن بھوجپور ضلع شاہ آباد (آرہ) مقیم آرہ، ۱۱۴۸ھ میں شاہ مجیب اللہ صاحب کے مرید ہوئے (فہرست مریدان خانقاہ مجیبیہ پھلواری ۳)۔قطعات سے معلوم ہوتا ہے کہ تخلص دلدار تھا، شاہ صاحب کے باعقیدت مرید تھے (قطعات ۱تا۴ و ۵۲)، سال بیعت ۱۱۴۸ھ ہے۔آرہ ان کا گھر تھا (قطعہ ۹۹)، اور قطعہ ۹۷ کی تصنیف کے وقت ان کی عمر ۷۰ سے متجاوز تھی۔"

فہرست مریدان خانقاہ مجیبیہ پر حاشیہ نمبر ۳ ہے۔حاشیہ نمبر ۳ میں "بقول سید حسن عسکری صاحب" لکھا ہے۔۔۔(مقدمہ قطعات دلدار ص: ۹)

اس کی وضاحت ضروری ہے کہ ڈاکٹر حسین احمد صاحب نے اس عبارت کو اپنی کتاب میں جہاں نقل کیا ہے وہاں (فہرست مریدان خانقاہ مجیبیہ پھلواری ۳) کے الفاظ کسی مخفی وجہ سے چھوڑ دیا ہے۔جیسا کہ ہم نے اوپر ان کی کتاب سے اس کو نقل کیا ہے۔

قاضی عبدالودود صاحب نے اختر اورینوی صاحب کی کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے بھی اس کی صراحت کی ہے۔

"نام مرزا دلدار بیگ ہے، اور یہ خاص بھوج پور کے باشندے تھے، یہ اطلاع مجھے سید حسن عسکری صاحب سے ملی ہے۔اور ان کا ماخذ خانقاہ مجیبیہ (پھلواری) کی قدیم فہرست مریداں ہے"۔۔۔(مقالات قاضی عبدالودود ص: ۳۴)

قطعات دلدار کے مقدمہ کی مذکورہ بالا عبارت میں قاضی عبدالودود صاحب نے متعدد چیزیں پیش کی ہیں۔

(الف) جناب دلدار کا پورا نام دلدار بیگ ہے۔

(ب) ان کے والد کا نام محمد شفیع بیگ ہے۔ان دونوں کے حوالے انہوں نے قدیم فہرست مریدان تاج العارفین شاہ مجیب اللہ قدس سرہ سے دیئے ہیں جو حضرت تاج العارفین کے زمانے یا اس کی قریب العہد کی تحریر کردہ ہے۔

(ج) قطعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تخلص دلدار تھا۔ کیونکہ تقریبا تمام قطعات میں انہوں نے اپنا تخلص ذکر کیا ہے۔

(د) جناب دلدار حضرت تاج العارفین شاہ مجیب اللہ قدس سرہ کے مرید باعقیدت تھے۔ اس کے لئے قطعات ۱ تا ۴ و ۵۲ کا حوالہ دیا ہے۔

(ہ) ۱۱۴۸ھ میں وہ بیعت ہوئے۔ یہ بھی قطعہ ۵ سے واضح ہے۔

(و) ان کا گھر آرہ تھا۔ اس کا حوالہ قطعہ ۹۹ سے دیا ہے۔

(ز) قطعہ ۹۷ کی تصنیف کے وقت ان کی عمر ۷۰ سے متجاوز تھی۔ قطعہ نمبر ۹۷ میں اس کی صراحت موجود ہے۔

اس کے بعد ہم ان کے حوالوں کو پیش کر رہے ہیں۔

حضرت تاج العارفین مخدوم شاہ مجیب اللہ قادری قدس سرہ کے ارادتمندوں کی فہرست خانقاہ مجیبیہ میں موجود ہے۔ اس میں جناب دلدار بیگ کا نام موجود ہے۔ فہرست کا نام یہ ہے۔ ''اسامی مریدان حضرت آفتاب طریقت تاج العارفین شاہ محمد مجیب اللہ القادری الفلواری''

اس میں جناب دلدار بیگ کا نام اس طرح تحریر کیا گیا ہے۔ ''دلدار بیگ ولد شفیع بیگ در شاہ آباد آرہ بھوجپور''

اس سے جناب قاضی عبدالودود صاحب کی تحقیق کی مکمل تائید ہو جاتی ہے کہ جناب دلدار کا نام دلدار بیگ تھا۔ ان کے والد کا نام شفیع بیگ تھا اور وہ شاہ آباد آرا بھوجپور کے رہنے والے تھے اور حضرت تاج العارفین شاہ مجیب اللہ قادری پھلواروی قدس سرہ کے مرید تھے۔ اس سے ڈاکٹر حسین احمد صاحب کے پیش کردہ تمام اشکالات دور ہو جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے پاس تمام حوالے موجود تھے، مگر ان کا مقصد انکار کرنے کے لئے فرضی اشکالات تیار کرنا تھا۔

ڈاکٹر حسین احمد صاحب نے اپنے انکار کی مزید تائید میں جناب دلدار بیگ کو کسی ثبوت کے بغیر شیعی یا تفضیلی قرار دیا ہے، وہ لکھتے ہیں۔

> ''پھر دلدار نے اپنا مسلک قطعہ نمبر ۱۰۳ اور کئی دوسرے قطعات میں بھی بیان کیا ہے کہ وہ شیعی یا تفضیلیہ ہے اور صوفیائے پھلواری کا شاید یہ مسلک نہیں ہے۔''—(بہار میں اردو ادب الخ ص ۶۵)

مگر جناب دلدار بیگ نے کسی قطعہ میں خود کو شیعہ یا تفضیلی نہیں کہا ہے۔ یہ ڈاکٹر صاحب کا ان پر غلط الزام ہے۔ بلکہ کسی قطعہ میں شیعہ یا تفضیلیہ کا لفظ بھی نہیں ہے اور ان پر تہمت لگائی جا رہی ہے کہ انہوں نے اپنا مسلک شیعہ یا تفضیلیہ بیان کیا ہے۔ ایسی تحقیق پر

خامہ انگشت بدنداں ہے کہ اسے کیا کہئے
ناطقہ سر بگریباں ہے کہ اسے کیا لکھئے

اور یقینا بزرگان پھلواری کا یہ مسلک نہیں ہے۔ بزرگان پھلواری کا علوم اسلامی اور صحیح عقائد کے ساتھ تصوف وسلوک سے بھی گہرا ربط رہا ہے۔اسی لئے یہاں سے اکابر علماء اور اکابر صوفیہ ہر دور میں پیدا ہوتے رہے ہیں اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کی محبت تمام صوفیہ کے یہاں رہی ہے۔خانقاہ مجیبیہ کے بزرگان بھی اہل بیت کی محبت سے سرشار رہے ہیں مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پوری عظمت واحترام کے ساتھ۔ بزرگان پھلواری کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں بکثرت اشعار ہیں، اہل بیت کے مراثی بھی ہیں۔اسی طرح جناب دلدار بیگ نے بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں قطعات کہے ہیں۔اس سے ان کو شیعی یا تفضیلی قرار دینا حقیقت کے خلاف بات ہے اور محض اس کی وجہ سے ان کے حضرت تاج العارفین قدس سرہ کے مرید ہونے سے انکار کرنا علمی دیانت اور تحقیق کے خلاف ہے۔

ہم اس کے بعد قطعات دلدار (مرتبہ قاضی عبدالودود طبع خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ) سے جناب دلدار بیگ کے وہ قطعات پیش کرتے ہیں جن میں انہوں نے اپنے پیر ومرشد کے اسم گرامی کے ساتھ ان کا والہانہ ذکر کیا ہے۔ ۱۱۴۸ھ میں اپنی بیعت کا ذکر کیا ہے اور اپنا گھر آرہ بتایا ہے۔ یہی اندرونی شہادت ہے جس کو ڈاکٹر حسین احمد صاحب نے تسلیم کرنے کے بعد انکار کر دیا ہے۔”قطعات دلدار“ میں تمام قطعات پر نمبر لگے ہوئے ہیں۔ یہاں ہم انہیں نمبروں کے مطابق قطعات پیش کر رہے ہیں۔

(۱)

شاہ مجیب اللہ فخر جہاں کا، راضی حق کی رضا کا
راہ نما ظاہر، باطن کا ہے دلدار گدا کا

(۲)

ہمیں توقع شاہ مجیب اللہ تیرے ایک کرم کا
سرمہ ہے ہم نابینوں کا تیرے خاک قدم کا
تخت گاہ چوکھٹ ہے تیرا اسکندر اور جم کا
بندہ ہے دلدار ترا اے شہ! بے دام و درم کا

(۳)

شاہ مجیب اللہ کا چوکھٹ ہے سجدہ گاہ جہاں کا
وصف ہے اس کا (دینے) والا فرحت روح ورواں کا
نام ہے اس کا کرنے والا شیریں کام ودہاں کا
ہے دلدار وہ ہادی کامل سارے انس وجاں کا

(۴)

شاہ مجیب اللہ پیر کا میرے کیا برتر ہے پایا
اس طالب کو ایک نظر میں منزل کو پہنچایا
گر ہے پتھر سخت تو اس کو پارس کر دکھلایا
اس عاجز دلدارؔ کو اپنے خاک سے پاک بنایا

(۵)

اِگارہ سے اڑتالس میں ہم گرو کا دامن پکڑا
ہر ایک طرف کی حرص (وہوا) سے من کو اپنے جکڑا
نفس امارہ ہاتھ میں لائے مارمار کے لکڑا
تب گرو نے دلدارؔ دیا گڑ ہم کو بھر بھر چھکڑا

(۳۰)

تاج ہے ہر عارف کے سر کا، پیر ہمارا شاہ مجیب
عارف کامل، شیخ مشائخ حق کا ہے وہ خاص حبیب
کون ہے طالب، خوان سے اس کے ملا نہ ہوئے اسے نصیب
کیوں نہ شفا دلدارؔ اسے ہو جس کا ایسا ہوئے طبیب

(۵۲)

شاہ مجیب اللہ پیر نے میرے فرمایا از راہ کرم
مظہر حق بوجھو یہ سب ہے ورد رکھو دل میں ہر دم
شرع نبی پر قائم رہنا اے دلدارؔ کہیں ہیں ہم
راہ فقیری یہی ہے پیارے آپ (کو) بوجھو سب سے کم

(۹۷)

ستر سے سن زیادہ گزرا اب کہیو کیا کرنا ہے
غفلت میں یہ گزرے دن، دلدار اب آگے مرنا ہے

اب ہونے سکتا نہیں کچھ، اس باقی دن کا بھرنا ہے
سو افضل اللہ کے، ہم کو کسی طرح نہیں ترنا ہے

(۹۹)

کیوں بیٹھا ہے، ایسا بھولا کیا، آرہ گھر تیرا ہے
کیا کچھ تیری عقل گئی، یا کسی نے ہی مت پھیرا ہے
جانے ہے آرے کو تو دلدار کہ یہ گھر میرا ہے
جلد خبر لے گھر کی اپنے، ابھی تو بہت سویرا ہے

ڈاکٹر عابد رضا بیدار ''قطعات دلدار'' کے پیش گفتار میں لکھتے ہیں۔

''دلدار کے پیر شاہ مجیب اللہ جن کے دم قدم سے پھلواری شریف آج بھی آباد ہے، ان کے بارے میں ضروری اطلاعات بزم شعرائے پھلواری از حکیم مولوی سید شاہ محمد شعیب (معاصر جون ۱۹۴۹ء سے) منقول ہیں۔''

اس کے بعد انہوں نے حضرت تاج العارفین شاہ مجیب اللہ قادری قدس سرہ کے حالات اور ان کے کچھ فارسی اشعار اور ریختہ میں ایک غزل نقل کی ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں۔

''شاہ مجیب اللہ کے اشعار میں جو زبان، جو اسلوب ہے اور جو فکر ہے بڑے پیمانے پر وہی سب تجربے شاہ دلدار نے ان قطعات میں کر ڈالے ہیں۔ غضب کا شاعر تھا آرہ شہر کا شاہ دلدار! فکر اور زبان دونوں لحاظ سے بہت اہم۔ مگر چھپ کر بھی چھپا رہا ہے''۔۔۔ (قطعات دلدار، پیش گفتار از عابد رضا بیدار)

قاضی عبدالودود صاحب جناب دلدار کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''بارہویں صدی کے نصف اول میں اردو شاعری کا زیادہ چرچا بہار میں نہ تھا اور محض چند شعراء ہیں جن کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اس زمانے میں اردو شعر کہے تھے۔ اس عہد میں دہلی، دکن اور گجرات میں جو عام رنگ شاعری کا تھا دلدار کا کلام اس رنگ میں نہیں ہے۔ اور اس کا امکان ہے کہ شاہ مجیب اللہ صاحب کے اشعار نے دلدار کے لئے نمونے کا کام دیا ہو۔ میرا قیاس ہے کہ قطعات دلدار کا زمانہ تصنیف ۱۱۴۸ھ تا ۱۱۶۰ھ ہے۔

دلدار کے کل قطعات ملتے جلتے اوزان میں ہیں۔ اور یہ اوزان عروض کی فارسی کتابوں سے غیر حاضر ہیں۔ بعض اوقات ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دلدار کا تصور موزونیت ہم سے جداگانہ ہے۔ قوافی سے متعلق ان کا مسلک قطعات ۲۱ و ۲۲ و ۳۲ و ۳۷ و ۴۲ و ۶۷ و ۹۰ و ۹۷ سے معلوم ہوگا۔

دلدار کی شاعری کا عشق مجازی سے کچھ سروکار نہیں ہے، عشق حقیقی کی تلقین البتہ ان کے یہاں ملتی ہے۔ بعض اشعار سے یہ وحدتِ وجود کے قائل معلوم ہوتے ہیں۔ مگر ایسے اشعار موجود ہیں جن سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک خدا عین عالم نہیں، بلکہ عالم خدا کا مظہر ہے، اور دونوں میں خالق ومخلوق کا رشتہ ہے۔ صوفی اور معلم اخلاق کی حیثیت سے ان کا نقطہ نظر وہی ہے جو ان کے عہد کا ہے۔ نہ اس میں ندرت ہے اور نہ اس کی توقع ہونی چاہئے۔ قطعات ۵۳ و ۳۷ میں جو خیالات ظاہر ہوئے ہیں وہ بھی نئے نہیں، بڑی بات یہ ہوتی اگر یہ واقعی مختلف مذاہب وطبقات میں فرق نہ کرتے۔ مگر ان کے عمل کا حال مطلقاً معلوم نہیں، دلدار کے تشابیہ واستعارات نامانوس نہیں۔ ان میں سے بعض (رجوع بقطعہ ۳۷) زرعی زندگی سے لئے گئے ہیں، خیال بندی ان کے یہاں نام کو نہیں۔ دلدار سیدھی سیدھی باتیں سادہ طور سے کہتے ہیں۔ بعض قطعات (مثلاً ۳۷) میں ہندی شاعری کی تقلید نمایاں ہے"۔۔۔(مقدمہ قطعات دلدار از قاضی عبدالودود ص ۹ و ۱۰)

اختر اورینوی نے جناب دلدار کا نام نور محمد لکھا ہے، انہوں نے کہاں سے لیا ہے اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا ہے، قاضی عبدالودود صاحب نے اس نام کو غلط قرار دیا ہے۔ نام دلدار بیگ اور تخلص دلدار کو ہی درست کہا ہے۔

اختر اورینوی لکھتے ہیں۔

"پروفیسر سید حسن عسکری صاحب نے سب سے پہلے دلدار کے کلام کو ڈھونڈا۔ ان کے مختصر دیوان کا واحد نسخہ بہار ہسٹوریکل ریسرچ سوسائیٹی کی ملک ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ شاہ مجیب اللہ صاحب پھلواروی کے مرید تھے۔ لہذا دلدارؔ، شاہ سجادؔ اور شاہ آیت اللہ کے ہم عصر ثابت ہوتے ہیں۔ ان کا وطن آرہ تھا۔ ایک شعر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ستر سال سے زیادہ عمر پائی۔ مجموعہ کلام میں کم وبیش ۲۴۰ (دوسو چالیس) شعر ہیں، اور یہ سب ملتے جلتے اوزان وبحور میں ہیں۔ قاضی عبدالودو صاحب لکھتے ہیں۔

"دلدار کے اشعار کی تقطیع عروض عربی وفارسی کی رو سے ہوسکتی ہے۔ لیکن یہ بہتر ہوگا کہ اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ یہ عروض ہندی کے مطابق ہیں۔ یہ سوال دوسرا ہے کہ ہندی عروض مقدم الذکر سے متاثر ہوا ہے یا نہیں؟"

دلدار نے کسی زمین میں دو سے زیادہ شعر نہیں کہے۔ ہر مصرع میں قافیہ ہوتا ہے اور چاروں مصرعے ایک دوسرے سے مربوط ہوتے ہیں۔ دلدار صوفی شاعر تھے، ان کے اندر آفاقی مذہبیت اور وسیع القلب روحانیت پائی جاتی ہے۔ دلدار کی زبان پر بھاشاؤں کا رنگ غالب ہے۔ بہاریت اور مقامی رنگ کی جھلک زبان وبیان نیز تشبیہوں اور استعاروں میں ملتی ہے۔ اس لحاظ سے دلدار کی شاعری کی بڑی اہمیت ہے"۔۔۔(بہار میں اردو

زبان وادب الخ اختر اوری نوی ص ۲۶۸ و ۲۶۹)

(۳) شاہ کریم بخش صاحب:

ڈاکٹر صاحب نے شاعر کی حیثیت سے شاہ کریم بخش صاحب کا تذکرہ کیا ہے۔ ان کے فضائل ومناقب بیان کئے ہیں۔ ان کے حسن اخلاق، زہد وتقوی، فقر وقناعت اور تبلیغ دین کا تذکرہ کیا ہے۔ لکھا ہے کہ ان کے کشف وکرامت کا ذکر اکثر تذکروں میں ملتا ہے۔ ان کا سن وفات ۱۲۵۲ھ ذکر کیا ہے۔ (ص ۲۶۹ تا ۲۷۲) مگر اس کے لئے تذکرہ شعرا میں سے کسی کتاب کا بھی حوالہ نہیں دیا ہے۔ کرامات کے لئے صرف شاہ غلام نجف صاحب کے ملفوظات کا حوالہ دیا ہے۔

نیز یہ کیسی تحقیق ہے کہ حضرت غلام نقشبند سجادؔ قدس سرہ کو اس لئے چھوڑ دیا جائے کہ ان کا ذکر بحیثیت اردو شاعر قدیم تذکروں میں نہیں ملتا اور یہاں بغیر کسی کتاب کے حوالہ کے شاہ کریم بخش صاحب کے لئے سب کچھ تسلیم کرلیا جائے۔ اس پر کچھ اشکالات ہیں۔

(الف) شاہ کریم بخش صاحب کا سن وفات کس تذکرہ سے نقل کیا ہے؟ کوئی حوالہ نہیں ہے۔

(ب) شاہ کریم بخش خانقاہ ارزانی کے سجادہ نشیں تھے، کیا اس کے لئے کسی حوالہ کی ضرورت نہیں ہے؟ کیونکہ کسی تذکرہ میں اس کا ذکر نہیں ہے۔

(ج) وہ حضرت شاہ غلام حسن کے مرید وخلیفہ تھے۔ اس کے لئے کسی حوالہ کی ضرورت نہیں ہے؟ واضح رہے کہ ڈاکٹر صاحب شروع کتاب میں جناب دلدار بیگ کے حضرت شاہ مجیب اللہ قدس سرہ کے مرید ہونے پر شبہ ظاہر کر چکے ہیں، حالانکہ قطعات دلدار میں اس کی صراحت موجود ہے اور قاضی عبد الودود صاحب نے اپنی تحقیق میں اس کو تسلیم کیا ہے۔ مگر اس کے باوجود اس کو تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہیں۔ تحقیق کی یہ دورنگی ملاحظہ کریں۔

(د) شاہ کریم بخش صاحب کے نام سے حضرت شاہ ارزانی قدس سرہ کی شان میں ایک منقبت بھی دی ہے مگر اس کا بھی حوالہ نہیں دیا ہے۔

(ہ) ڈاکٹر صاحب نے متعدد مقامات پر تحریر کیا ہے کہ خانقاہ ارزانی کے سجادگان غیر شادی شدہ ہوتے تھے۔ اس کے ثبوت کے لئے مستند کتاب کا حوالہ چاہئے۔ کیونکہ ہم لوگوں نے ڈاکٹر صاحب کے پیر ومرشد جناب شاہ عاشق حسین صاحب سجادہ نشین خانقاہ ارزانیؒ (م ۲۰۰۱ء) کو شادی شدہ اور صاحب اولاد پایا ہے۔ خود ڈاکٹر صاحب موصوف نے ص ۲۵۵ پر خانقاہ ارزانی کے آٹھویں سجادہ نشیں شاہ عباد اللہ صاحب (م ۱۲۶۰ھ) کا ذکر کیا ہے۔ اس کے آگے اگلی سطر میں ان کے صاحبزادے شاہ غلام نجف صاحب (م ۱۳۰۸ھ) کا ذکر کیا ہے۔ یہ تضاد بیانی سمجھ سے باہر ہے۔

ڈاکٹر صاحب مزید لکھتے ہیں۔

''بحیثیت شاعر بھی آپ کا ذکر کئی تذکروں میں آیا ہے۔مثلاً شورش اپنے تذکرہ میں لکھتا ہے۔

حضرت شاہ کریم بخش ساکن عظیم آباد، فاضل جید ومنشی وخوشنویس، گاہ گاہ فکر شعر ہم می فرمایند، برائے میمنت ایں تالیف یک بیت مرقوم می شود لکن از انتخاب نیست۔از وست۔

عاشق پہ سب حرام ہے لذت جہان کی
دولت بڑی ہے دوست کے ہر دم دھیان کی''

—(بہار میں اردو ادب کا ابتدائی زمانہ ص ۲۷۰)

لیکن میں نے تذکرہ شورش کے سوا شاہ کریم بخش صاحب کے معاصر اور ان کے بعد کے کسی تذکرۂ شعراء میں ان کا ذکر نہیں پایا۔اردو شعراء کے جو تذکرے اوپر ذکر کئے گئے ان کے علاوہ درج ذیل فارسی وارد و شعراء کے تذکرے میرے سامنے موجود ہیں۔

نکات الشعراء(میر تقی)، ریاض الفصحاء(مصحفی)، عقد ثریا(مصحفی)، سفینہ خوش گو(بندرابن داس خوش گو) تذکرہ خوش معرکہ زیبا(سعادت خاں ناصر تالیف ۱۲۶۲ھ)، نشتر عشق(حسین قلی خاں عظیم آبادی)، تذکرہ روز روشن(مظفر حسین صبا)، سرو آزاد(آزاد بلگرامی)، صحف ابراہیم(ابراہیم خاں خلیل)، گلشن بے خار(مصطفی خاں شیفتہ)، گلستان بے خزاں(قطب الدین باطن)، چمنستان شعراء(لچھمی نرائن شفیق)، یادگار شعراء(اسپرنگر) یہ کل ۳۳ تذکرے اردو فارسی شعراء کے ہیں، ان سب تذکروں میں شاہ کریم بخش صاحب کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

جہاں تک شورش کے تذکرے کا تعلق ہے تو اس میں جن شاہ کریم بخش کا ذکر ہے وہ بظاہر کوئی دوسرے شخص معلوم ہوتے ہیں۔اس کے درج ذیل وجوہ ہیں۔

(الف) شورش کا انتقال ۱۱۹۵ھ میں ہوا ہے اور ڈاکٹر حسین احمد صاحب کی تحقیق کے مطابق انہوں نے یہ تذکرہ ۱۱۸۵ھ میں لکھنا شروع کر دیا تھا۔ ۱۱۹۱ھ میں اس کی تکمیل ہوئی ہے اور خود ڈاکٹر صاحب کی تحریر کے مطابق شاہ کریم بخش صاحب(سجادہ نشیں درگاہ شاہ ارزاںؒ) کی وفات ۱۲۵۲ھ میں ہوئی ہے۔ڈاکٹر صاحب نے نہ توان کا سال ولادت ذکر کیا ہے اور نہ ان کی عمر بتائی ہے۔اگر ان کی عمر ۷۵ سال مان لی جائے تو ان کی پیدائش ۱۱۷۷ھ میں ہوئی ہوگی۔ ۱۱۸۵ھ میں ان کی عمر آٹھ سال اور ۱۱۹۱ھ میں چودہ سال رہی ہوگی۔آٹھ سال یا چودہ سال کے بچے کا ذکر شورش اتنے ادب واحترام سے کیسے کرے گا جیسا کہ اوپر ذکر آیا ہے کہ

''فاضل جید، منشی، خوش نویس، کبھی کبھی شاعری کی طرف توجہ فرماتے ہیں، اس تالیف کی برکت کے لئے ان کا ایک شعر لکھا جاتا ہے۔''

(ب) شاہ کریم بخش صاحب کی سجادگی بھی جیسا کہ ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ تذکرہ شورش کی تالیف مکمل ہونے (۱۱۹۱ھ) کے بیس سال کے بعد اور خود شورش کے انتقال (۱۱۹۵ھ) کے سولہ سال کے بعد ۱۲۱۱ھ میں ہوئی ہے۔

(ج) شورش نے ان کے ذکر میں خانقاہ ارزانی سے ان کے کسی تعلق کا ذکر نہیں کیا ہے۔

(د) ڈاکٹر صاحب مزید نے لکھا ہے کہ'' آپ کا قلمی ضخیم دیوان اردو اور فارسی دونوں، خانقاہ میں موجود ہے۔'' جب کہ شورش لکھتا ہے کہ'' گاہ گاہ فکر شعر ہم می فرمایند''۔ دونوں باتوں میں کوئی مطابقت نہیں ہے۔ کیونکہ شورش کی عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ ان کے اشعار کی تعداد کم ہوگی جیسا کہ خود ڈاکٹر صاحب شیخ غلام یحییٰ حضورؔ کے حالات میں لکھتے ہیں۔

''تذکرہ شورش میں حضورؔ کے متعلق یہ بھی درج ہے۔'' امّا باعث کاروبار دنیاوی فکر شعر گاہ گاہ می نماید'' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے اشعار کی تعداد زیادہ نہیں ہوگی''۔۔۔ (ص ۱۳۱)

اس لئے یہ کوئی دوسری شخصیت ہیں جو تذکرہ شورش کی تالیف کے وقت بزرگ، فاضل جید، منشی اور خوشنویس ہوں گے اور شورش ان سے اتنا متاثر تھا کہ اس نے ان کا ایک شعر بطور برکت تذکرہ میں شامل کر دیا تھا۔ اس لئے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے یہاں پر تحقیق نہیں کی ہے بلکہ تاریخ سازی کا کام انجام دیا ہے۔ اس کو ان کا اختراع نہیں تو اور کیا کہا جائے۔

(ہ) تذکرہ شورش جو عطا کاکوی صاحب کا ترجمہ کردہ ہے اس میں یہ الفاظ ہیں۔

''کریم: حضرت شاہ کریم بخش، مرید شاہ کرک (؟) کڑک قادریہ سلسلہ کے بزرگ، ساکن عظیم آباد، علوم ظاہری و باطنی سے آراستہ، منشی، خوش نویس، فقیر قانع، صابر، شاکر، خادم طلبا وفقرا، دنیا کی لذتوں سے بے پرواہ، کبھی کبھی اشعار کہتے ہیں، لیکن زیادہ تر منقبت کہتے ہیں، ایک دن ارشاد فرمایا کہ شعر عاشق کے دل کا ابال ہے جو موزوں ہو کر باہر آتا ہے، آپ کی ذات اس شہر میں بسا غنیمت ہے۔ (اشعر)''۔۔۔ (تذکرہ شورش مترجمہ ومرتبہ عطا کاکوی، ادارہ تحقیقات عربی وفارسی ص ۸۶)

(۴) شیخ غلام علی راسخ:

ڈاکٹر صاحب کو راسخ عظیم آبادی کے بارے میں بڑا شکوہ ہے کہ راسخ پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، کتابیں بھی شائع ہوئی ہیں، اس کے باوجود اصل راسخ پردۂ گمنامی میں پڑے رہے اور ایک تصوراتی راسخ کا ذکر ہوتا رہا۔ اس کی مثال یوں پیش کرتے ہیں۔

”جیسے شاد نے ۱۱۶۲ھ میں پیدا کیا، مہدی عظیم آبادی نے ان کا مولد سائیں قرار دیا، حمید عظیم آبادی نے انہیں پھلواری لے جا کر حضرت فرد سے مرید کروا (کذا)، عبدالمالک آروی اور شاہ غلام حسنین پھلواروی نے طپاں کے سامنے، شاد اور خان بہادر ضمیر الدین نے مرزا شرر شاگرد تحقیق کے سامنے زانوئے ادب تہ کروادیا، ڈاکٹر ممتاز احمد، ڈاکٹر سید محمد حسنین، ڈاکٹر محمد مطیع الرحمن اور ڈاکٹر لطف الرحمن نے راسخ کو اپنے استاد فدوی کی شاگردی سے انکار کروادیا۔ عبرتی نے ان کی روح ۱۲۳۶ھ میں قبض کی، دی تاسی، مصنف گل رعنا اور پروفیسر عبدالمنان بیدل نے ۱۲۴۰ھ میں ان کی روح کو عالم بالا کو بھیجا، خان بہادر سید ضمیر الدین اور ان کے بعد دوسرے محققین نے انہیں محلہ لودی کٹرہ، پٹنہ سیٹی میں دفن کیا۔ اور اصل راسخ جن کے دیوان کو ۱۳۱۱ھ میں خیر المطابع نے شائع کیا اور جن کے کلیات کا قلمی نسخہ (شاید) بخط شاعر خدا بخش لائبریری میں موجود ہے ان کی مکمل سوانح حیات تحقیق کے ساتھ کسی نے بھی نہیں لکھی“۔ (ص ۲۵۳، ۲۵۴)

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے اپنی جدید تحقیق سے راسخ کے حالات پر روشنی ڈالی ہے اور اپنے کتب خانے کے ایک مخطوطہ پر لکھی دوسطری تحریر سے راسخ کی حیات سے متعلق تمام چیزیں ثابت کر کے ان کی سوانح حیات مکمل کر دی ہے۔ یہ نادر تحقیق ملاحظہ کریں۔

ڈاکٹر صاحب راسخ عظیم آبادی کے سن ولادت کے بارے میں لکھتے ہیں۔

”راسخ کے سال پیدائش اور ان کی ابتدائی زندگی کے متعلق معاصر تذکرہ نگار خاموش ہیں۔ شاد عظیم آبادی نے ان کا سن ولادت ۱۱۶۲ھ تحریر کیا ہے۔ بلخی، درد ائی، سکسینہ، سید ضمیر الدین اور نیاز فتح پوری وغیرہ ۱۱۶۲ھ ہی تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن عبرتی کے مطابق ان کا سال ولادت ۱۱۷۶ھ ہے۔ قاضی عبدالودود صاحب ۱۱۷۱ھ کے لگ بھگ بتاتے ہیں...... قاضی صاحب نے ۱۱۷۱ھ کے لگ بھگ لکھا ہے، لیکن اپنا ماخذ نہیں بتایا ہے، مجھے خانقاہ شاہ ارزانی کے کتب خانے میں ایک قلمی رسالہ ”حلت و حرمت“ ملا ہے جو ابوتراب جعفری پھلواروی کا لکھا ہوا ہے۔ اس کے ایک صفحہ پر راسخ کی ایک غزل بھی درج ہے۔ اس کے نیچے یہ عبارت لکھی ہوئی ہے۔

”غزل غلام علی شاہ راسخ مرحوم خلف شیخ محمد فیض مرحوم طریق یافتہ حضرت شاہ کریم اللہ قدس سرہ العزیز ولادت ۱۱۶۹ ہجری و سال رحلت ۱۲۳۸ ہجری مرد درویش بود۔“ اس کے نیچے ”فقیر عباد اللہ عفی عنہ“ لکھا ہوا ہے۔“

مزید تحقیق ملاحظہ کیجیے۔

”حضرت شاہ عباد اللہ قدس سرہ متوفی ۱۲۶۰ھ خانقاہ شاہ ارزانی کے آٹھویں سجادہ نشیں تھے۔ ان کی عمر

وفات راسخ کے وقت کم از کم ۲۵ سال ضرور رہی ہوگی۔ کیونکہ ان کے صاحبزادے شیخ الاسلام حضرت سید شاہ غلام نجف قدس سرہ متوفی ۱۳۰۸ھ کا سال ولادت ۱۲۳۳ھ ہے۔ لہذا راسخ کے معاصر میں ایک شخص تو مجھے ایسا ملا جس نے قطعیت کے ساتھ ان کا سال ولادت ۱۱۶۹ھ لکھا ہے۔ لہذا راسخ ۱۱۶۲ھ یا ۱۱۷۱ھ کے لگ بھگ نہیں بلکہ ۱۱۶۹ھ میں پیدا ہوئے"۔۔۔(ص ۲۵۵)

ڈاکٹر صاحب نے شاہ عباد اللہ صاحب کے بارے میں کسی کتاب سے حوالہ دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ وہ خانقاہ ارزانی کے آٹھویں سجادہ نشیں ہیں اور ان کا سن وفات ۱۲۶۰ھ ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنی اس نئی تحقیق سے راسخ کے سال ولادت کے سلسلے میں تمام اقوال پر خط نسخ پھیر دیا اور ۱۱۶۹ھ کو صحیح قرار دیدیا۔ لیکن جب اس پر غور کرتے ہیں تو یہ تحقیق خود محتاج ثبوت نظر آتی ہے، کیونکہ

(الف) شاہ عباد اللہ صاحب کے سال وفات اور ان کے درگاہ ارزانی کے سجادہ نشیں ہونے کے بارے میں کوئی مستند حوالہ نہیں ہے۔

(ب) ان کے صاحبزادے شاہ غلام نجف صاحب کے سال ولادت یا سال وفات کا کوئی مستند حوالہ نہیں ہے جس کی بنیاد پر شاہ عباد اللہ صاحب کو راسخ کا معاصر کہا جاسکے اور راسخ کے ان معاصر شاہ عباد اللہ صاحب کے قول کی بنیاد پر راسخ کا سال ولادت تحقیقی طور پر متعین کیا جاسکے۔

(ج) اس عبارت میں جن شاہ کریم اللہ صاحب کو راسخ کا پیر قرار دیا گیا ہے ان کا سال وفات ڈاکٹر صاحب نے ایک جگہ ۱۱۸۵ھ بتایا ہے۔(ص ۱۹۱)۔ راسخ کی ولادت قاضی عبدالودود صاحب کی تحقیق کے مطابق ۱۱۷۱ھ کے قریب اور عبرتی کی تحقیق کے مطابق ۱۱۷۶ھ میں ہوئی ہے، شاہ کریم اللہ صاحب کی وفات (۱۱۸۵ھ) کے وقت راسخ کی عمر صرف چودہ سال یا نو سال تھی۔ کیا اس عمر کے بچے بیعت ہوتے ہیں؟ اس سے بھی اس عبارت کی صحت پر سوالیہ نشان لگتا ہے۔

(د) حضرت شاہ ابوتراب آشنا جعفری پھلواروی قدس سرہ (حضرت فرد قدس سرہ کے منجھلے بھائی) جن کے رسالہ پر شاہ عباد اللہ صاحب کی یہ عبارت درج بتائی گئی ہے ان کا سال وفات ۱۲۷۰ھ ہے جیسا کہ آثارات پھلواری شریف میں اس کی صراحت موجود ہے۔ اس رسالہ کے کئی مخطوطہ نسخے کتب خانہ مجیبیہ میں موجود ہیں۔ اس کا نام ہے "رسالہ درحلت نان پاؤ" اس میں نان پاؤ کی حلت وحرمت پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ رسالہ پر سن تالیف درج نہیں ہے۔ بعض پر سن کتابت درج ہے، ایک نسخہ پر ۱۲۶۸ھ اور ایک پر ۱۲۷۰ھ۔ اگر انھوں نے اپنی آخر عمر میں یہ رسالہ تصنیف کیا ہوگا تو اس وقت تک شاہ عباد اللہ صاحب ۱۲۶۰ھ میں وفات پاچکے ہوں گے، پھر وہ کیسے اس پر یہ عبارت تحریر کریں گے۔

ان تمام دلائل سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس مخطوطہ پر شاہ عباد اللہ صاحب کی راسخ کے بارے میں جو تحریر نقل کی گئی ہے وہ اختراعی ہے۔ڈاکٹر صاحب کے سوا کوئی اس سے واقف نہیں ہے۔کمال یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اس مشکوک عبارت کی بنیاد پر بہت سی چیزیں ثابت کردی ہیں، جن کا آئندہ ذکر آئے گا۔مثلاً راسخ کا سال ولادت، راسخ نے شادی کی تھی یا نہیں؟ راسخ کے پیرومرشد کون تھے؟

(۵) راسخ کا تاہل یا تجرد:

ڈاکٹر صاحب راسخ کے متاہل ہونے کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''راسخ مجرد رہے یا متاہل اس سلسلے میں تذکرے خاموش ہیں۔ابوالحسن، عشقی اور عبرتی سے راسخ کی ملاقات تھی ،لیکن ان لوگوں نے بھی راسخ کی شادی اور ان کی اولاد کا ذکر نہیں کیا ہے''۔۔۔(ص ۲۶۱)

لیکن ڈاکٹر صاحب راسخ کے مجرد رہنے کے قائل ہیں، اس لئے اس کے ثبوت میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں۔

''راسخ کے مندرجہ ذیل شعر سے:

تار و پود کارنا ہموار دنیا کے تئیں
قطع کرو ورنہ تراز نجیر پا ہوجائے گا

مجرد رہنا ثابت ہے''۔۔۔(ص ۲۶۱)

حقیقت یہ ہے کہ اس شعر میں اس کی بالکل صراحت نہیں ہے کہ راسخ مجرد تھے۔تار و پود تانا بانا کو کہتے ہیں یعنی کپڑے کی بناوٹ میں جو تانا بانا استعمال ہوتا ہے اسی کو فارسی میں تار و پود کہتے ہیں۔شعر کا مفہوم یہ ہے کہ ناہموار دنیوی زندگی کے تعلقات ختم کردو ورنہ یہ تمہارے پیر کی زنجیر بن جائیں گے۔شاعر اپنے اشعار میں ہر طرح کے خیالات کو پیش کرتا ہے۔ضروری نہیں ہے کہ اس کا ہر شعر اس کی عملی زندگی کے مطابق ہو۔یہ خیال بھی انہوں نے ڈاکٹر ممتاز صاحب کے قیاس سے لیا ہے مگر قیاس کو حقیقت بنادیا ہے۔

اپنی اس تحقیق کی تائید میں ڈاکٹر صاحب ماضی قریب کے چند پروفیسرز کے اقوال نقل کرتے ہیں:

''انہوں نے شادی کی تھی یا مجرد رہے اس کا پتہ نہیں چلتا لیکن اگر یہ عزم راسخ رہا ہوگا کہ تار و پود کارنا ہموار دنیا کے تئیں اور قطع کرو ورنہ تراز نجیر پا ہوجائے گا تو مجرد رہنا زیادہ قرین قیاس ہے۔۔۔(مثنویات راسخ ص ۹۳ ڈاکٹر ممتاز احمد)

ڈاکٹر مطیع الرحمن اور ڈاکٹر لطف الرحمن نے بھی ان کا مجرد رہنا ہی بتایا ہے۔۔۔(ص ۲۶۱)''

ان تینوں پروفیسر حضرات کے اقوال پیش کرکے یہ ثبوت دینا چاہتے ہیں کہ راسخ غیر شادی شدہ رہے۔جب کہ یہ

صرف احتمال ہے۔ قطعی بات نہیں ہے۔

جناب مطیع الرحمن لکھتے ہیں۔

''کسی تذکرہ نگار نے راسخ کی شادی اور ان کے اہل وعیال کا ذکر نہیں کیا ہے۔ زندگی ان کی آرام وسکون سے بسر نہیں ہوئی، تلاش معاش میں برابر سرگرداں اور پریشان رہے، اسی خیال سے وہ کلکتہ اور لکھنؤ گئے، لیکن کہیں ان کو نمایاں کامیابی نہیں ہوئی، قیاس غالب ہے کہ وہ تاہل کی زندگی سے دور رہے''۔۔۔(راسخ کے دو شاگرد ص ۸۲ مطیع الرحمن)

جناب لطف الرحمن لکھتے ہیں۔

''راسخ عظیم آبادی کی شادی اور اولاد کے سلسلے میں کسی طرح کی اطلاع دستیاب نہیں ہے، یہ بھی معلوم نہیں ہوسکا کہ انہوں نے شادی کی تھی یا نہیں؟''۔۔۔(راسخ عظیم آبادی ص ۸ لطف الرحمن)

ان دونوں حضرات نے راسخ کے تاہل کے بارے میں کوئی قطعی بات نہیں کہی ہے۔ لطف الرحمن صاحب نے صاف لکھ دیا کہ اس کے بارے کچھ معلوم نہیں ہوسکا، مطیع الرحمن صاحب نے بھی قیاسی بات کہی ہے۔ اوپر ڈاکٹر ممتاز احمد صاحب نے بھی قیاسی بات کہی ہے۔ کسی کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ اب اس کو یہ کہنا کہ ان دونوں نے ان کا مجرد رہنا ہی بتایا ہے۔ تحقیق کے خلاف ہے۔ جب کہ خود لکھ چکے ہیں کہ تذکرے اس سلسلے میں خاموش ہیں۔ لیکن ڈاکٹر صاحب نے اس کو قطعی اور یقینی بنا دیا۔

ڈاکٹر صاحب مزید تحریر کرتے ہیں۔

''نواب امداد امام اثر کا یہ بیان جو انہوں نے خواجہ شاہ شہرت کے حوالہ سے لکھا ہے۔ ''حضرت راسخ عظیم آبادی فقیر طبیعت اور فقیر دوست آدمی تھے۔ اکثر شاہ باقر کے تکیہ پر قیام رکھتے تھے۔''

اور کلیات راسخ بخط راسخ میں ایک قطعہ مدحیہ بھی ہے جس کا مطلع ہے:

انتخاب اہل دانش ہے تو اے عالی جناب

صاحب فہم رسا اس عہد میں تجھ سا نہیں

پڑھنے کے بعد رسالہ ''حلت وحرمت'' میں درج اس عبارت کو ''غلام علی شاہ راسخ مرحوم خلف شیخ محمد فیض مرحوم طریق یافتہ حضرت شاہ کریم اللہ قدس اللہ سرہ العزیز'' کو ماننے غ میں کوئی قباحت نہیں۔ اس لئے کہ درگاہ حضرت شاہ ارزانی میں بیشتر حضرات مجرد ہی رہے ہیں، حضرت شاہ کریم اللہ قدس سرہ خود لنگوٹ بند بزرگ گذرے ہیں، ساتھ ہی ساتھ ان کے مریدوں میں حمزا علی رند، عشق علی شاہ، خوشنما شاہ اور شاہ غلام حسن وغیرہم مجرد ہی رہے''۔۔۔(ص ۱۶۲)

اس عجیب وغریب دلیل پر عقل حیران ہے۔

(الف) راسخ کا تکیہ شاہ باقر میں اکثر قیام رہنا اور کسی نواب کی شان میں راسخ کا قطعہ مدحیہ کہنا ان دونوں سے کیسے ثابت ہوگیا کہ راسخ شاہ کریم اللہ صاحب کے مرید تھے؟ اور اس بناء پر اس مشکوک عبارت کو درست ماننے میں کوئی قباحت باقی نہیں رہی۔

(ب) یہ مدحیہ قطعہ گیارہ اشعار پر مشتمل ہے۔اس میں سے چار اشعار پیش ہیں جس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ کسی نواب کی مدح میں ان کے لطف وکرم اور مالی معاونت حاصل کرنے کے لیے کہا گیا ہے۔ڈاکٹر صاحب کے پیش کردہ مطلع کے الفاظ میں بھی فرق ہے۔

انتخاب اہل دانش ہے تو اے کامل خرد ۞ اب کہاں ہے صاحب فہم و رسا تجھ سا کہیں
یہ دل محزوں جو ایک طومار درد وداغ ہے ۞ حال اس کا عرض کرنا فرض ہے میرے تئیں
پھرتی ہے طبع پریشاں آہ صد جانب ولے ۞ تجھ سا یہ مشکل کشا پاتی نہیں ہرگز کہیں
دوستوں کو تیرے اے ممدوح! شادی ہو نصیب ۞ جو عدو ہوں وے رہیں مغموم وگریان وحزیں

—(کلیات راسخ مطبوعہ خیر المطابع ص ۲۳)

اس قطعہ سے راسخ کے شاہ کریم اللہ صاحب کے مرید ہونے کا ثبوت کس طرح ملے گا؟ ناطقہ سر بگریباں ہے۔

(ج) نیز ممکن ہے کہ شاہ باقر صاحب کا تعلق درگاہ شاہ ارزاں کے سلسلے سے ہو جیسا کہ ڈاکٹر صاحب نے تحریر کیا ہے مگر کیا ان کے تکیہ میں صرف شاہ کریم اللہ صاحب کے مریدین رہتے تھے؟ کہ جو وہاں قیام کرے وہ ان کا مرید ہوگا۔اس کا کیا ثبوت ہے۔

(د) شاہ کریم اللہ صاحب کے مجرد یا لنگوٹ بند رہنے کا کوئی حوالہ نہیں ہے،اسی طرح حمزہ علی رند اور عشق علی شاہ کے مجرد رہنے کا کوئی حوالہ نہیں ہے اور راسخ کے بارے میں اوپر وضاحت آچکی ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے دلیل میں راسخ کی ایک رباعی بھی پیش کی ہے جو ڈاکٹر صاحب کے کہنے کے مطابق شاہ کریم اللہ صاحب کے خلیفہ سعد اللہ صاحب کے بارے میں ہے۔مگر اس رباعی کا حوالہ نہیں دیا ہے کہ کس کتاب میں ہے؟ کلیات راسخ مطبوعہ خیر المطابع میں اور دیوان راسخ تحقیق شکیب ایاز میں یہ رباعی موجود نہیں ہے۔شاید یہ بھی ڈاکٹر صاحب کے اپنے کتب خانے کے نوادرات میں ہوگی۔تعجب ہے کہ یہ سب چیزیں تحقیق کے نام پر پیش کی جارہی ہیں۔

(۶) راسخ کے پیر و مرشد:

ڈاکٹر حسین احمد صاحب نے ایک مخطوطہ پر درج ایک اختراعی عبارت کی بنیاد پر جناب راسخ کو درگاہ شاہ ارزاںؒ لے جا کر شاہ کریم اللہ صاحب سے مرید کرا دیا ہے۔ جب کہ اس بیعت و ارادت پر شدید اشکال ہے، کیونکہ ڈاکٹر صاحب کے قول کے مطابق شاہ کریم اللہ صاحب کی وفات ۱۱۸۵ھ میں ہوئی جس وقت راسخ کی عمر قاضی عبدالودود صاحب کی تحقیق کے مطابق چودہ سال اور عبرتی کی تحقیق کے مطابق نو سال تھی، جو کمسنی کی عمر ہے اس میں عام طور سے لوگ بیعت نہیں ہوتے۔

ہم ذیل میں جناب راسخ کے اس مکتوب کو پیش کرتے ہیں جو انہوں نے حضرت شاہ ابوالحسن فردؔ قدس سرہ کی خدمت میں پھلواری بھیجا تھا۔ یہ مکتوب خانقاہ مجیبیہ کے کتب خانے میں موجود ہے، قاضی عبدالودود صاحب نے اس کو مستند مانا ہے اور اپنے مقالات میں اس کو مکمل شائع کر دیا ہے۔ اس کے سرورق پر یہ درج ہے۔

''ان شاء اللہ بشرف ملاحظہ ساطعہ حضرت مولوی صاحب عالی جناب فضیلت و کمالات انتساب، جلیل القدر والامناقب، قبلہ ارادتمندان مولوی ابوالحسن صاحب دام برکاتہ فائز باد۔ عریضہ غلام علی راسخ عفی اللہ عنہ''

اس کے بعد مکتوب شروع ہوتا ہے۔

''حضرت مولوی صاحب عالی جناب فضیلت و کمالات انتساب قبلہ ارادتمندان دام برکاتہ

بعد تقدیم ما وجب من حسن الادب بعرض می رسانم، ہر چند آرزوئے حصول شرف ملازمت خدام از آں بیشتر دارم کہ تفتیدہ جگراں وادی عطش با قرب النہار آب و کشتہائے خشک بہ ترشح سحاب لکن باوجود ایں ہمہ ہجوم تمنا بخت نارسا وجہ محرومی ازیں دولت و مانع ادراک چنیں سعادت است، چوں جمیع امور ایں عالم مرہون اوقات خود اند پس انتظار وقت متعین دارم، کاش زمان انتظار بعجلت بسرے شود و دیدہ بشرف دیدار کہ بہیں نتیجہ حیات مستعار است مشرف گردد، ایضاح وجوہ فقدان ایں سعادت طولانی است، خلاصہ ایں کہ گردش فلک بے مہر از سالہائے دراز من نزار را کہ مشت استخوانے و کف خاکے بیش نیستم، آوارہ دست غربت می دارد، و در عظیم آباد کمتر می مانم، و از نامساعدت زمانہ مصائب گوناگوں لاحق حال می باشد، ہر چند قبض و بسط ایں دار بے بقا وہمے بیش نیست، اما بمقتضائے بشریت کہ لازمہ ترکیب عنصری است ما بے بصیرتاں را وقوع ایں حال متغیر می سازد، و مضطربانہ از جادہ مستقیم صبر منحرف می شود، و من ارادتمند باوجود ایں ہمہ تفرقہ خاطر بتحریک شوق فطری سوائے مطالعہ کتب تصوف شغلے در پیش ندارم، و عمر عزیز خود را کہ در جوار عشرہ ہفتم رسیدہ حتی الوسع اکثر و بیشتر صرف ایں مشغلہ نمودہ ام و می نمایم و بقدر فہم ناقص خود از مفہوم کلمات مقبلان دین متلذذ می شوم، ایں ہمہ است لیکن کماہی بہرہ مند و متلذذ شدن بے

امداد واعانت ومتابعت مرشد کامل محال بلکہ ناممکن ،نسخہ متبرکہ مکتوب صدی وصد و پنجاہی وملفوظ و چند رسالہ دیگر تصنیف قطب العارفین برہان المحققین حضرت مخدوم شاہ شرف الدین قدس سرہ بہم رسانیدہ ام ،تبرکاً برسبیل رسم وعادت مطالعہ آں مشرف می شوم ،وعرض ایں است شنیدہ ام کہ درکتب خانہ آں جناب کتاب اخبارالاخیار تصنیف شیخ عبدالحق دہلوی ونسخہ جلیلہ مکتوبات حضرت مخدوم جہانیاں قدس سرہ ہست، پس امیدوارم کہ آنجناب بمقتضائے توجہات بزرگانہ ہر دو کتاب مذکورہ مستعار بدست مرزا سنگی صاحب کہ حامل ایں عریضہ ومعتبر اند بلااندیشہ مرحمت فرمائند، کاتب واسباب نوشتن ایں جامہیا است ،نقل ایں ہر دونسخہ برداشتہ بدست مردم معتبر بحضور خدام ابلاغ خواہم نمود، وبوقوع ایں تفضلا ت مرہون منت بے شمار خواہم شد، جرات دریں امر خلاف شیوہ ادب بود ،امابر اعتماد شفقت بزرگانہ آنجناب بے ادبانہ جسارت رفت، وعرض دیگر ایں کہ ارادتمند می خواہد کہ بطریق استفادہ از مطالعہ اشعار آبدار منجملہ نتائج فکرشریف چہ فارسی و چہ ہندی کہ گویا ہمگی سلک گوہر است لذت روحی حاصل نماید، پس غزلے چند بدست مرزا صاحب موصوف عنایت باید فرمود، وچشم آندارم کہ بامداد باطنی آنجناب تفرقہ ظاہر من مبدل بر جمعیت باطن شود، آنانکہ خاک رابنظر کیمیا کنند، آیا بود کہ گوشہ چشمے بما کنند۔ وعزم بہ تصمیم است کہ ان شاء اللہ تعالی بشرط ابقاء حیات مستعار پس از ایامے چند بخدمت کثیر الافادت حاضر شوم، و نیز شرف جبیں سائی آستان فیض تواماں حضرت پیر و مرشد برحق کہ مایہ افتخار من خاکسار است حاصل نمایم، ومکرر عرض ایں کہ ہر دو نسخہ معلومہ مع کلمات شریف خود بالضرور آنجناب عنایت فرمایند وجواب باصواب عریضہ ہذا ہم ارادتمند را لطف فرمودہ ذخیرہ اندوز مباہات باید فرمود، از یں زیادہ چہ بعرض رسانم ادب مانع طول کلام است وبس“ —(مقالات قاضی عبد الودود ص ۱۵۱،۱۵۲،۱۵۳)

اس اہم فارسی مکتوب کا اردو ترجمہ درج ذیل ہے۔

حضرت مولوی صاحب عالی مقام، صاحب فضیلت وکمالات انتساب، جلیل القدر، اعلی مناقب، قبلۂ ارادت مندان مولوی ابوالحسن صاحب دام برکاتہ کی خدمت میں غلام علی راسخ عفااللہ عنہ کا عریضہ خدا کرے شرف ملاحظہ سے ہمکنار ہو۔

حضرت مولوی صاحب عالی جناب فضیلت وکمالات انتساب قبلہ ارادتمندان دام برکاتہ

بحسن ادب بعد تقدیم ماوجب عرض گزار ہوں کہ اگر چہ مجھے خدمت کا شرف حاصل کرنے کی خواہش اس سے کہیں زیادہ اور بے حد ہے جو وادی عطش کے جگر سوزوں کو اقرب نہار (یعنی دوپہر) میں پانی کی اور خشک کھیتوں کو ترشح سحاب (یعنی بارش) کی ہوا کرتی ہے۔لیکن اس کثرت تمنا کے باوجود اس دولت کی وجہ محرومی اور اس سعادت کو پانے سے بخت نارسا مانع ہے۔چونکہ دنیا کے تمام معاملات اپنے اپنے وقت کے تابع ہیں۔اس لئے میں وقت مقرر کا انتظار کر رہا ہوں، کاش یہ انتظار کا

وقت جلد ختم ہو جائے اور آنکھیں شرف دیدار سے مشرف ہوں کہ یہی حیات مستعار کا نتیجہ ہے۔اس سعادت سے محرومی کی وجوہات کو بیان کرنا باعث طوالت ہے۔مختصر یہ ہے کہ برسوں سے بے مروت آسمان کی گردش نے مجھ کمزور وناتواں کو جو مٹھی بھر ہڈی و ایک کف مٹی سے زیادہ نہیں ہے بے وطنی کے ہاتھوں آوارہ بنا رکھا ہے،(یعنی کسی جگہ مستقل قیام نہیں ہے)،عظیم آباد میں کم رہتا ہوں،اور زمانہ کی ناموافقت کی وجہ سے طرح طرح کی مصیبتیں لاحق حال رہتی ہیں۔حالانکہ اس دنیائے بے ثبات کی تنگی وکشادگی ایک وہم سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔لیکن بشریت کے تقاضا سے جو عناصر ترکیبی کا لازمہ ہے اس صورت حال کے پیدا ہونے (یعنی پریشانیاں لاحق ہونے) سے ہم بے بصیرت لوگ متغیر و پریشان ہو جاتے ہیں،اور بے اختیار (قدم) صبر کے جادۂ مستقیم سے ہٹ جاتا ہے۔

ان تمام دل کی بے اطمنانیوں کے باوجود فطری شوق کی تحریک پر مجھ ارادت مند کا مشغلہ سوائے تصوف کی کتابوں کے مطالعہ کے کچھ اور نہیں ہے۔اپنی عمر عزیز کو جو ساتویں دہائی کے قریب پہنچ چکی ہے بقدر وسعت اکثر وبیشتر اسی مشغلہ (یعنی کتب تصوف کے مطالعہ) میں صرف کیا ہے اور صرف کر رہا ہوں،اپنے ناقص فہم کے مطابق مقبولان دین کے کلمات کے مفاہیم سے لطف حاصل کرتا ہوں۔یہ سب ہے مگر مکمل طور سے ان سے فائدہ اٹھانا مرشد کامل کی اعانت ومتابعت کے بغیر محال ہے،بلکہ ناممکن ہے۔

مکتوبات صدی،مکتوبات صدو پنجاہی،ملفوظ اور دیگر تصانیف قطب العارفین،برہان المحققین حضرت مخدوم شاہ شرف الدین قدس سرہ کے متبرک نسخے میں نے جمع کئے ہیں۔حسب عادت حصول برکت کے لئے ان کے مطالعہ سے مشرف ہوتا ہوں۔عرض ہے کہ میں نے سنا ہے کہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی تصنیف کتاب اخبار الاخیار اور مکتوبات حضرت مخدوم جہانیاں قدس سرہ کا نسخہ جلیلہ آنجناب کے کتب خانے میں موجود ہے۔

میری خواہش ہے کہ آپ اپنی بزرگانہ توجہات کے مطابق مذکورہ بالا دونوں کتابیں عاریتاً مرزا سنگی صاحب کے ہاتھوں جو یہ عریضہ لے کر حاضر ہوئے ہیں اور معتبر ہیں بلا اندیشہ مرحمت فرمادیں۔یہاں کاتب اور کتابت کی تمام چیزیں مہیا کر لی گئی ہیں۔نقل کرتے ہی ان دونوں نسخوں کو کسی معتبر شخص کے ذریعہ حضور کی خدمت میں پہنچوادوں گا،اور آپ کی اس نوازش کے وقوع پر آپ کا بے حد احسان مند رہوں گا۔اس امر کے سلسلے میں جرات کرنا شیوۂ ادب کے خلاف تھا،لیکن آنجناب کی بزرگانہ شفقت پر اعتماد کرتے ہوئے یہ بے ادبانہ جسارت سرزد ہوئی۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ اس ارادت مند کی خواہش ہے کہ فکر شریف کے نتائج میں سے موتی پروئے گئے فارسی وہندی کے اشعارِ آبدار کے مطالعہ واستفادہ سے روحانی لذت حاصل کرتا،اس لئے چند غزلیں مرزا صاحب موصوف کے ذریعہ عنایت

فرمائیں گے۔

مجھے امید ہے کہ آنجناب کی باطنی امداد سے میری ظاہری پریشانیاں باطنی اطمنان میں بدل جائیں گی۔

آنانکہ خاک رانظر کیمیا کنند

آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

ان شاء اللہ عزم مصمم ہے کہ اگر حیات باقی رہی تو چند دنوں کے بعد آپ کی نفع بخش خدمت میں حاضر ہوؤں گا، نیز پیرومرشد برحق کے بافیض آستانہ کی جبہ سائی کا شرف حاصل کروں گا، جو مجھ خاکسار کے لئے مایہ افتخار ہے۔

مکرر عرض ہے کہ مذکورہ دونوں (کتابوں کے) نسخے اپنے کلام شریف (یعنی چند غزلوں) کے ساتھ ضرور عنایت فرمائیں اور اس عریضہ کا جواب باصواب بھی دے کر اس ارادت مند کو فخر ومباہات کا موقع عطا فرمائیں۔اس سے زیادہ کیا عرض کروں، ادب طول کلام مانع ہے اور بس۔(ترجمہ مکمل ہوا)

حضرت شاہ ابوالحسن فرد قدس سرہ کے نام جناب راسخ کے اس مکتوب سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں۔

(الف) حضرت فرد سے جناب راسخ کے اچھے تعلقات تھے۔اس لئے کچھ عرصہ سے ملاقات نہ ہونے کی وجہ سے راسخ نے ملاقات کا اشتیاق بھی ظاہر کیا ہے۔

(ب) حضرت فرد کے والد ماجد حضرت شیخ العالمین شاہ نعمت اللہ قادری قدس سرہ سے جناب راسخ کو گہری عقیدت تھی۔ان کو پیرومرشد برحق کہا ہے اور ان کے آستانہ میں حاضری کے شرف حاصل کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے جس کو اپنے لئے مایہ افتخار بتایا ہے۔

(ج) یہ مکتوب انہوں نے اپنی عمر کی ساتویں دہائی کے قریب پہنچنے کے بعد تحریر کیا ہے۔"وعمر عزیز خود را کہ در جوار عشرہ ہفتم رسیدہ"۔جب کہ وفات کے وقت راسخ کی عمر صحیح قول کے مطابق ۶۷ سال تھی۔کیونکہ قاضی عبدالودود صاحب کی تحقیق کے مطابق ۱۱۷۱ھ سال ولادت اور ۱۲۳۸ھ سال وفات ہے۔جس سے عمر ۶۷ سال نکلتی ہے۔قاضی صاحب کی تحقیق کے مطابق یہ مکتوب ۱۲۳۰ھ کے لگ بھگ تحریر کیا گیا ہے۔(مقالات قاضی عبدالودود ص ۱۵۱) اس سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ یہ مکتوب ۱۲۳۰ھ کے بعد ان کی آخر عمر میں تحریر کیا گیا ہے۔

(د) راسخ نے لکھا ہے کہ زمانہ موافق نہ ہونے کی وجہ سے مختلف قسم کی پریشانیاں لاحق رہتی ہیں، عظیم آباد میں قیام کم رہتا ہے، زیادہ وقت غریب الوطنی میں بسر ہوتا ہے جس سے ذہنی سکون حاصل نہیں ہو پاتا۔

(ہ) ان کو تصوف کی کتابوں سے خاص لگاؤ رہا ہے اور ان کا مطالعہ کرتے رہے ہیں۔خاص کر اس عمر میں اس کی طرف

توجہ زیادہ ہوگئی ہے۔

(و) جناب راسخ کو شیخ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہ کی اخبار الاخیار اور حضرت مخدوم جہانیاں قدس سرہ کے مکتوبات کے مطالعہ کی خواہش تھی، ان کو خبر ملی تھی کہ یہ دونوں کتابیں خانقاہ مجیبیہ کے کتب خانے میں موجود ہیں، راسخ ان کو عاریتاً لے کر نقل کرانا چاہتے تھے، اس کے لئے کسی کاتب سے انہوں نے بات بھی کر لی تھی۔

(ز) حضرت فرد کی شاعری کے وہ مداح تھے۔ قاضی عبد الودود صاحب نے بھی اس کو بیان کیا ہے۔

(ح) روحانی لطف حاصل کرنے کے لئے حضرت فرد کے فارسی اور ہندی (ریختہ) اشعار بھیجنے کی درخواست کی ہے۔

(ط) ظاہری پریشانی کی وجہ سے سکون قلب حاصل نہیں ہے اس لئے حضرت فرد سے باطنی استمداد کی خواہش ظاہر کی ہے۔ تاکہ ذہنی سکون ہو اور جمعیت خاطر ہو جائے۔

بعد کے کچھ تذکرہ نگاروں (اختر اورینوی وغیرہ) نے اس مکتوب میں یہ دیکھ کر کہ راسخ نے خود کو ارادت مند اور حضرت شیخ العالمین شاہ نعمت اللہ قدس سرہ کو پیر و مرشد لکھا ہے یہ لکھ دیا کہ جناب راسخ حضرت فردؔ قدس سرہ کے مرید تھے، لیکن خانقاہ مجیبیہ کی کتابوں میں راسخ کے حضرت فرد قدس سرہ سے مرید ہونے کا ذکر نہیں ملتا ہے، حکیم شعیب رضوی پھلواروی نے بھی ''حیات فرد'' میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے۔ قاضی عبد الودود صاحب نے بھی اس کا انکار کیا ہے۔ حکیم شعیب صاحب ''حیات فرد'' میں راسخ عظیم آبادی کے بارے میں لکھتے ہیں۔

> ''غلام علی راسخ مرحوم پٹنہ کے نامی شاعر تھے، فرد الاولیاء کی تعریف علانیہ کرتے تھے، جب کبھی ان کے سامنے آپ کی غزل پڑھی جاتی تھی تو نہایت غور سے سنا کرتے تھے، فرد الاولیاء کی قادر الکلامی اور با محاورہ شاعری کا اقرار تھا اور طرز ادا اور رنگ اس درجہ پسندیدہ تھا کہ اگر آپ کا کوئی شعر نا سمجھ پڑھنے والے سے سن کر غلطی پاتے تو کہہ دیتے کہ انہوں نے ایسا نہ کہا ہوگا، چنانچہ ایک روز کسی نے راسخ مرحوم کے سامنے فرد الاولیاء کی غزل کا یہ مطلع
>
> لطف تو اے کاش دوامی شدے
>
> ہر مرضم رو بشفا می شدے
>
> تکرار لفظ اگر و کاش کے ساتھ ''لطفت اگر کاش دوامی شدے'' پڑھ دیا، راسخ مرحوم نے کہا کہ فرد جیسا قادر الکلام شاعر زائد لفظ نہ لائے گا۔ غالباً یوں ہوگا۔
>
> لطف تو اے کاش دوامی شدے
>
> اگر و کاش دونوں ہم معنی لفظ ہیں، ایک معنی کے دو لفظ لانے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی''۔۔۔ (حیات فرد ص ۶۵)

مکتوب راسخ سے اس بات کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ خانقاہ مجیبیہ کے بزرگوں سے ان کے عقیدت مندانہ تعلقات

تھے۔لیکن شیخ العالمین حضرت شاہ نعمت اللہ قادری قدس سرہ یا ان کے صاجزادے فرد الاولیاء حضرت شاہ ابوالحسن فرد قدس سرہ سے راسخ کے بیعت ہونے کا کوئی ذکر خانقاہ کی کتابوں میں نہیں ملتا، نہ خانقاہ مجیبیہ کی طرف سے کبھی اس کا دعوی کیا گیا، بزرگان دین کو اس کی خواہش بھی نہیں ہوتی کہ ممتاز افراد کو اپنے حلقہ ارادت میں داخل کریں۔وہ اس سے بے نیاز رہتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے لوگوں کے ذہنوں سے تصوراتی راسخ کو نکال کر حقیقی راسخ کو پیش کرنے کی کوشش کی۔مگر ایک چیز کا ذکر کرنا بھول گئے یا قصداً ذکر نہیں کیا کہ راسخ کلکتہ میں قید و بند میں بھی مبتلا رہے تھے۔جس کی کچھ وضاحت انہوں نے خود اپنی مثنوی ''شرح حال'' میں کی ہے۔ہم ذیل میں ڈاکٹر ممتاز احمد صاحب اور پروفیسر شکیب ایاز صاحب کی کتابوں سے اس بارے میں کچھ نقل کرتے ہیں۔

ڈاکٹر ممتاز احمد ''مثنوی شرح حال'' کے تحت لکھتے ہیں۔

''یہ مثنوی راسخ کے اوپر بیتتے ہوئے ایسے دنوں کی یاد دلاتی ہے جبکہ وہ کلکتہ میں راجہ جگر ناتھ پرشاد کے عتاب میں مبتلا ہو گئے تھے۔یہ راجہ کے پاس غالباً حصول زر کے لئے حاضر ہوئے تھے کہ وہاں ان کے پیچھے ''موذی کئی درپئے ایذا ہوئے'' اور'' آگ لگا کر گرم تماشا ہوئے''۔راجہ کو آگ لگنی تھی کہ وہ خفا ہو گیا اور انہیں زر ہی کے سلسلے میں قید میں ڈال دیا، حضرت راشد نے ان کی سفارش کی، راجہ کے پاس انہوں نے یہ مثنوی پیش کی، اور عرض یہ کی کہ میری رہائی ہی صلہ اس کا ہے۔یہ مثنوی راجہ کو نذر ہوئی۔لیکن انجام کیا ہوا کچھ تیقن کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا ہے۔قیاس ہے کہ یہ مثنوی کلکتہ میں لکھی گئی ہوگی''۔۔۔(مثنویات راسخ ص ۱۵۵)

پروفیسر شکیب ایاز صاحب لکھتے ہیں۔

''مثنوی مسمی بہ شرح حال'' مہاراجہ جگر ناتھ پرشاد کے ہاں پیش کی گئی تھی۔

تجھ سے امید رکھوں ہوں میں امید قوی
گزرے نظر سے ترے یہ مثنوی

مثنوی بشرح حال سے پتہ چلتا ہے کہ راسخ گرفتار ہوئے تھے، اور یہ گرفتاری بقول راسخ ''اخذ زر'' کی وجہ سے ہوئی تھی۔

میری گرفتاری سے جز مشت پر ۞ کچھ نہیں حاصل تجھے تو غور کر
بیڑی پہنانا نہیں لازم تجھے ۞ ہے یہی بہتر کہ رہا کر مجھے

پھر اس شعر سے گرفتاری کی وجہ ظاہر ہوتی ہے۔

ما حصل اس کا ہے فقط اخذ زر
زر کے لئے مت مجھے پابند کر

اس رہائی میں جن لوگوں نے راسخ کی معاونت کی اس کا اظہار راسخ اس طرح کرتے ہیں۔

ہوگئی تجھ تک تو رسائی مری ۞ اب ہے ترے ہاتھ رہائی مری
صدر نشیں موجد عالی جناب ۞ حضرت راشد وہ فضیلت مآب
میری رسائی کے ہوئے ہیں سبب ۞ میری رہائی کے ہوئے ہیں سبب
بند میں ہوں، آہ چھڑا دے مجھے ۞ اب تو وطن میرا دکھا دے مجھے

اور یہ مثنوی کی غرض وغایت:

میری رہائی ہی صلہ اس کا ہے
اس سے فزوں جائزہ کیا اس کا ہے''
—(مقدمہ دیوان راسخ۔تحقیق شکیب ایاز،ص ۴۸)

کلیات راسخ میں اس کے پہلے یہ اشعار بھی ہیں۔

اپنی گرفتاریوں کا ماجرا ۞ سوء ادب ہے کروں اظہار کیا
مجھ کو خبر اس کی نہ تھی ناگہاں ۞ ٹوٹ پڑا سر پہ مرے آسماں
موذی کئی در پئے ایذا ہوئے ۞ آگ لگا گرم تماشا ہوئے
کر گئے اپنا تو وہ در پردہ کام ۞ لیک ہوا کام ہی میرا تمام

—(کلیات راسخ،مثنوی مسمی بہ شرح حال ص ۵)

ان دونوں حضرات نے اس گرفتاری کے بارے میں جو بھی لکھا ہے وہ صرف مثنوی کے اشعار کے پیش نظر ہے۔ علیحدہ سے اس کے بارے میں کسی تذکرے سے کوئی معلومات نہیں دی ہیں۔ نیز کسی تذکرہ میں اس گرفتاری کا ذکر نہیں ملتا۔

اخذ زر کا مفہوم بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی معاملہ میں ان سے زر کا مطالبہ کیا گیا ہوگا، وہ اپنی پریشاں حالی کی وجہ سے نہیں دے سکے، اور کسی نے شکایت لگادی، یا کسی سے قرض لیا تھا اور وقت پر ادا نہ کرسکے اس لئے ان کے ساتھ قید وبند کا معاملہ ہوگیا۔الغرض قید وبند کی اصل وجہ واضح نہیں ہوپائی۔اس کی تحقیق بھی ضروری تھی جس کی طرف توجہ نہیں کی گئی ہے۔ بعد میں وہاں کے مفتی راشد کی کوششوں سے ان کو رہائی نصیب ہوئی۔ان کی مدح میں راسخ نے اشعار بھی کہے ہیں۔

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

—(جاری)

آہ! کرب وبلا کے وہ پندرہ مہینے

● سید محمد نیر رضوی — سی، ۳ رحمان اپارٹمنٹ، نیو پارس ٹولی، ڈورنڈا، رانچی (جھارکھنڈ)

انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والتسلیم کی سرزمین، روئے زمین پر قائم ہونے والی دوسری مسجد مقدسہ، امام الانبیاء اور پیغمبر آخرالزماں: حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ رسول اکرم ﷺ کے سفر معراج کی یادگار عظیم، سید المرسلین ورحمۃ للعالمین: رسول کریم ﷺ کی اُمت کا قبلہ اول، خلیفہ دوم: حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امانت، حضرت صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کی جرأت ایمانی اور قوت باطنی کا مظہر اور خلافت عثمانیہ کی جیتی جاگتی شاندار تصویر یعنی ''فلسطین'' آج لہولہان ہے ؎

تیرے آنگن میں ملے رب کے پیغمبر سارے
ہم کو معلوم ہے اقصیٰ تری حرمت ہے بہت

اللہ کے کلام ''لاتقنطوا من رحمۃ اللہ'' پر پختہ ایمان رکھنے والے ہمارے فلسطینی بھائی بہن اپنے وطن عزیز: فلسطین کی آزادی کے لئے اور مسجد اقصیٰ کو آزاد کرانے کے لئے عرصہ دراز سے جنگ لڑ رہے ہیں۔ اللہ اُنہیں فتح نصیب فرمائے۔ آمین یارب العالمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

فلسطین گذشتہ پندرہ مہینوں میں مزید لہولہان ہوا۔ اس جنگ میں ۴۶۷۰۷ فلسطینی جاں بحق ہوئے اور ایک لاکھ ۱۰ ہزار سے زائد زخمی ہوئے۔ مرنے والوں میں عورتوں اور بچوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے۔ فلسطینی ماحولیاتی اتھارٹی کے مطابق اسرائیل نے غزہ پر ۸۵۰۰۰ ٹن سے زیادہ دھماکہ خیز مواد کا استعمال کیا۔ اقوام متحدہ کے مطابق اسرائیلی بمباری کے نتیجہ میں غزہ میں ۴۲ ملین ٹن سے زیادہ ملبہ جمع ہوگیا ہے جس کی صفائی میں ہی ایک دہائی سے زیادہ کا وقت درکار ہے۔ ابھی نہ معلوم کتنے بم اس ملبہ میں دبے ہوئے ہیں جو کبھی بھی پھٹ سکتے ہیں۔ یعنی جنگ بندی کے نفاذ کے بعد بھی یہاں موت کا خطرہ لاحق ہے۔ فلسطینیوں نے بھی دعویٰ کیا ہے کہ حالیہ جنگ میں ۱۱۱۳۹ اسرائیلیوں کی ہلاکت ہوئی ہے۔ اسرائیلی فوج نے محض ۴۰۵ فوجیوں

کی ہلاکت کا اعتراف کیا ہے۔ یہ بھی دعویٰ کیا گیا ہے کہ لبنان میں بھی اتنے ہی فوجی مارے گئے ہیں یعنی ہلاک ہونے والے اسرائیلی فوجیوں کی مجموعی تعداد ۱۹۴۰ سے زائد ہو سکتی ہے جبکہ حماس کا دعویٰ اس مجموعی تعداد سے بھی زیادہ ہے۔

بہر حال جنگ بندی کا نفاذ ۱۹ ر جنوری ۲۰۲۵ سے ہو گیا ہے مگر گذشتہ پندرہ مہینوں تک جاری رہنے والی اس بہیمانہ جنگ میں غزہ پٹی کا مکمل محاصرہ کیا گیا اور بد بخت اسرائیل کی جانب سے فلسطینیوں کو بمباری، بھوک، پیاس، جبری انخلاء، ایندھن کا خاتمہ اور مواصلاتی نظام پر پابندی جیسی اجتماعی سزا دی گئی۔ مگر قربان جائیے اللہ کے ان سچے بندوں پر اور رسولؐ کے ان سچے عاشقوں پر جنہوں نے ''شعب ابی طالب'' اور ''واقعہ طائف'' کی صعوبتوں سے ترغیب حاصل کی ہے اور ان بے یار و مددگار مگر بہادر فلسطینیوں نے اپنے اعلیٰ وارفع مشن: ''جہاد فی سبیل اللہ'' کو جاری رکھا اور کبھی بھی دستبردار نہیں ہوئے۔ جبکہ اُن کے پاس ہتھیاروں کا ذخیرہ بھی نہیں ہے۔ اس کے باوجود اسرائیل کو یہ سمجھنا چاہیے تھا کہ کہاں اُن کے حوصلہ کی پرواز اور کہاں تمہاری بزدلی کی معمولی پھونک ؏

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

مؤرخین کا مشاہدہ ہے اور انہوں نے تاریخ رقم کرنی شروع بھی کر دی ہے کہ ۷ ر اکتوبر ۲۰۲۳ء کو حماس نے غزہ کی دیگر عسکری تنظیموں کے ساتھ مل کر اسرائیل پر اس طرح حملہ کیا کہ ۲۰۰۷ سے محصور غزہ پٹی کی سرحدی باڑ کو بلڈوزر، ٹرک، گاڑیوں اور پیرا گلائیڈنگ کا استعمال کرتے ہوئے اُڑا دیا اور اسرائیل میں داخل ہو گئے۔ اسرائیلیوں کو ہلاک بھی کیا اور ۲۴۰ لوگوں کو یرغمال بھی بنا لیا۔ بس کیا تھا! ۷ ر سے ۹ ر اکتوبر ۲۰۲۳ کے درمیان اسرائیل کی حکومت نے ملک میں ایمرجنسی نافذ کر دی اور فوجی طاقت کا استعمال کرتے ہوئے غزہ کی جانب جانے والی تمام گذرگاہوں کو بند کر دیا، خوراک، پانی، ایندھن اور بجلی کی سپلائی سب روک دی اور پھر محصور غزہ پٹی پر اندھا دھند بمباری شروع کر دی اور اس طرح غزہ کا مکمل اور سخت ترین محاصرہ کر لیا گیا۔

اسرائیل اور اُس کے ہمنوا ممالک کا ماننا ہے کہ دہشت گرد تنظیم ''حماس'' کا یہ دہشت گردانہ حملہ ہے جس کا منھ توڑ جواب دیا جائے گا۔ جبکہ ایسا نہیں ہے۔ ہندوستان کی جنگ آزادی میں ہم سبھی ہندو مسلمان سکھ عیسائی متحدہ طور شامل ہوئے۔ عسکری تنظیموں سے وابستہ سردار بھگت سنگھ اور اشفاق اللہ خان بھی شامل ہوئے اور قابل تحسین کردار ادا کیا۔ مؤرخین نے اُن کی شہادت کو سنہرے حروف میں درج کیا ہے۔ کیا بھگت سنگھ اور اشفاق اللہ خان دہشت گرد تھے؟ نہیں بالکل نہیں! قطعاً نہیں! وہ عظیم مجاہد آزادی تھے حالانکہ انگریزوں نے انہیں دہشت گرد ہی قرار دیا اور اسی کی سزا بھی انگریزوں نے ہندوستان کے ان سپوتوں کو دی۔ ٹھیک اسی طرح فلسطین کی جنگ آزادی میں حماس، اسرائیلیوں کی نظر میں دہشت گرد ہو سکتا ہے مگر فلسطین کی جنگ آزادی میں حماس کا کردار بطور مجاہد آزادی، قابل تعریف ہے۔

اب جبکہ غزہ کا سخت ترین محاصرہ ہوگیا تب اس جنگ میں ۸ ؍اکتوبر ۲۰۲۳ کو لبنان کی عسکری تنظیم حزب اللہ نے فلسطینیوں کی حمایت اور اُن کے ساتھ اظہار یکجہتی میں جنگ میں شامل ہو کر اسرائیلیوں پر گولی باری شروع کر دی۔ ۱۳؍اکتوبر ۲۰۲۳ء کو اسرائیل نے شمالی غزہ کے تقریباً ۱۰ لاکھ شہریوں کو حکم نافذ کیا کہ وہ غزہ پٹی کے جنوب میں منتقل ہو جائیں۔ ۱۹؍اکتوبر ۲۰۲۳ء کو امریکی بحریہ کے ایک جنگی جہاز نے یمن سے اسرائیل کی جانب داغے گئے میزائیل اور ڈرون کو روکنے کا دعویٰ کیا۔ یمن کی حوثی تنظیم نے بھی اب فلسطینیوں کے حق میں اسرائیل اور بحیرہ احمر میں اسرائیل حامی ممالک کے جہازوں پر حملے شروع کر دئے۔ ۲۱؍اکتوبر ۲۰۲۳ کو مصر کی ثالثی سے ہوئے ایک معاہدہ کے تحت کچھ امدادی ٹرکوں کو رفح بارڈر کراسنگ سے غزہ جانے کی اجازت دی گئی اور بنیادی ضروریات کے لئے خوراک، پانی، ادویات، اور ایندھن جیسے ضروری سامان بہم پہنچائے گئے۔ مگر پھر ۲۷؍اکتوبر سے اسرائیل نے فضائی اور بحری بمباری جاری رکھتے ہوئے غزہ میں سرحد کو پار کر وہاں ٹینکوں اور بلڈوزروں سے زمینی حملے شروع کر دیئے۔ ۱۵؍نومبر ۲۰۲۳ کو اسرائیل فوج کئی دنوں کے محاصرہ کے بعد غزہ کے سب سے بڑے اسپتال ''الشفاء'' میں داخل ہوگئی اور اسے بند کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دیگر ہسپتالوں نے بھی یہاں خود ہی کام کرنا بند کر دیا۔ ۲۱؍نومبر ۲۰۲۳ کو قطر، مصر اور امریکہ کے ثالثی نتیجہ میں اسرائیل اور حماس نے سات روزہ عارضی جنگ بندی کا اعلان کیا اور حماس نے اسرائیلی جیلوں سے ۲۴۰ فلسطینی قیدیوں کی رہائی کے بدلے ۱۰۵ یرغمالیوں کی رہائی کا اعلان کیا۔ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ جنگ بندی کی تمام کوششیں ناکام ہوگئیں اور معاہدہ میں توسیع نہ ہوسکی۔ پھر تو ظالم اسرائیل نے ۱؍دسمبر ۲۰۲۳ء سے دوبارہ جنگ شروع کر دی۔ ۴؍دسمبر ۲۰۲۳ کو اسرائیلی فوج نے مرکزی جنوبی شہر خان یونس کی جانب بھی پیش قدمی کی اور اس طرح غزہ کی وزارت صحت کے مطابق ابھی تک ۲۰ ہزار سے زیادہ فلسطینی شہید ہو چکے تھے مگر جنگ پھر بھی جاری رہی۔ اب پہلی جنوری ۲۰۲۴ کو شمالی غزہ میں بھی جنگ شروع ہوگئی۔ جنگ یہاں اس لئے شروع ہوئی کہ اسرائیل کو شک تھا کہ اس علاقہ میں عسکریت پسند منظم ہو رہے ہیں۔ چنانچہ ۲۲؍جنوری ۲۰۲۴ کا دن وہ اہم دن تھا جب ایک عمارت میں زوردار حملہ ہوا اور اس کے نتیجہ میں اسرائیل کا سب سے زیادہ نقصان یہ ہوا کہ اسرائیل کے ۲۱ فوجی مارے گئے۔ دونوں طرف جب اس قدر جانی اور مالی نقصان ہوگیا تب عالمی عدالت بیدار ہوئی۔ ۲۶؍جنوری ۲۰۲۴ عالمی عدالت برائے انصاف، ہیگ نے اس جنگ کو اب نسل کشی قرار دیتے ہوئے اسرائیل کو نسل کشی روکنے کا حکم صادر کیا۔ دریں اثنا اسرائیل نے اقوام متحدہ کی امدادی تنظیم پر بہت سارے الزامات لگا دیئے اور ۲؍فروری ۲۰۲۴ کو اسرائیل نے بے گھر فلسطینیوں سے آباد رفح میں زمینی اور فضائی آپریشن شروع کرنے کا اعلان کر دیا جس پر عالمی برادری نے اپنی شدید تشویش کا اظہار کیا۔ اسرائیل کی جارحیت اور بربریت بڑھتی جا رہی ہے، یہاں تک کہ ۲۹؍فروری ۲۰۲۴ کو امدادی

ٹرک کے گرد بڑی تعداد میں جمع بھوکے پیاسے فلسطینیوں پر اسرائیل نے اندھا دھند گولی باری اور بمباری شروع کر دی جس میں ۱۰۰ سے زائد فلسطینی شہید ہو گئے۔ اسرائیل کی بربریت اب ہر روز کروٹ بدلنے لگی۔ چنانچہ یکم اپریل ۲۰۲۴ کو دمشق میں ایران کے سفارت خانہ پر مبینہ فضائی حملہ ہوا جس میں ایک اعلیٰ آفیسر سمیت کئی فوجی افسران ہلاک ہو گئے۔ ایران نے بھی دو ہفتے بعد اسرائیل پر میزائیل اور ڈرون سے حملہ کر کے جواب دیا۔ ۷/مئی ۲۰۲۴ کو اسرائیل نے ایک بار پھر بے بس اور بے گھر فلسطینی مہاجرین سے بھرے رفح پر حملہ کر دیا اور عالمی عدالت کے حکم کو بھی مسترد کر دیا۔ اسرائیل کی ہٹ دھرمی اب عروج پر پہنچ چکی تھی، اس نے جنگ جاری رکھی۔ چنانچہ ۲/جولائی ۲۰۲۴ کو اسرائیل نے جنوبی شہر خان یونس اور رفح میں فلسطینی شہریوں اور پناہ گزینوں کو انخلاً کا حکم دے دیا۔ ۳۱/جولائی ۲۰۲۴ کو ایک نہایت ہی دردناک واقعہ پیش آیا کہ تہران میں ایک حملہ میں حماس کے سربراہ اسماعیل ہنیہ کا قتل کر دیا گیا، بعد میں اسرائیل کے موجودہ وزیر دفاع نے اس حملہ کی بڑی بے حیائی کے ساتھ ذمہ داری بھی قبول کر لی۔ یکم اگست ۲۰۲۴ کو اسرائیلی فوج نے دعویٰ کیا کہ اس نے حماس کے فوجی سربراہ محمد ضیف کو بھی ہلاک کیا ہے۔ پھر ۱۷/ستمبر ۲۰۲۴ کو اسرائیل نے لبنان میں حزب اللہ کے زیر استعمال ہزاروں مواصلاتی آلات ''پیجر'' کو دھماکہ سے اُڑا دیا۔ ۲۸/ستمبر ۲۰۲۴ کو بیروت میں ایک اسرائیل فضائی حملہ میں حزب اللہ کے سربراہ حسن نصر اللہ ہلاک کر دیئے گئے۔ یکم اکتوبر ۲۰۲۴ کو اسرائیلی فوج نے غزہ کے بعد اب لبنان میں بھی زمینی حملہ شروع کر دیا پھر ۱۶/اکتوبر ۲۰۲۴ کو اسماعیل ہنیہ کے قتل کے بعد حماس کے ایک اور سربراہ یحییٰ سنوار کو رفح میں فائرنگ کے ایک تبادلہ میں ٹینک سے ہلاک کر دیا۔ ۲۱/نومبر ۲۰۲۴ کو بالآخر عالمی عدالت برائے انصاف نے نیتن یاہو، سابق دفاعی سربراہ یوف گیلنٹ اور حماس کے بھی ابراہیم المصری اور محمد دیف کے نام گرفتاری کا وارنٹ جاری کیا۔ چنانچہ ۲۷/نومبر ۲۰۲۴ کو اسرائیل اور حزب اللہ نے لبنان میں جنگ بندی پر اتفاق کیا اور اسی دن شام کو باغیوں نے صدر بشار الاسد کی فوج پر حملہ شروع کر دیا۔ اور ہفتہ بھر ہی میں اُنہیں اقتدار سے بے دخل کر دیا گیا۔

ادھر فلسطین کی جنگ جاری رہی کہ اللہ کی غیبی مدد اس طرح آئی کہ ۲/دسمبر ۲۰۲۴ کو امریکہ کے نو منتخب صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے غزہ میں جنگ بندی اور یرغمالیوں کی رہائی پر زور دیا اور کہا کہ ۲۰ جنوری ۲۰۲۵ کو اُن کی حلف برداری سے قبل غزہ میں یرغمالیوں کو رہا نہ کیا گیا تو مشرق وسطیٰ میں ''جہنم ٹوٹ پڑے گا''۔ چنانچہ ڈونلڈ ٹرمپ کے اس سخت پیغام کے بعد ۱۵/جنوری ۲۰۲۵ء کو اسرائیل اور حماس دونوں نے جنگ بندی اور یرغمالیوں کی رہائی سے متعلق ایک معاہدہ پر دستخط کئے اور اس طرح مذاکرات میں شامل تین ثالث ممالک: قطر، امریکہ اور مصر نے اس معاہدہ کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ اب اس جنگ بندی (سیز فائر) کا نفاذ ۱۹/جنوری ۲۰۲۵ سے ہو چکا ہے۔ آج پندرہ مہینوں کی پرسوز، دردناک اور غمناک صورت

حال کے خاتمہ پر فلسطینی خوشیاں منا رہے ہیں۔ فلسطینیوں کے حوصلوں کو سلام! مگر اسرائیل خوشیاں نہیں منا رہا ہے کیونکہ وہ اس معاہدہ کو اپنی شکست تسلیم کر رہا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس جنگ میں اسرائیل کو اُس کے متعصبانہ اور غیر عادلانہ رویہ کی وجہ سے ہزیمت اُٹھانی پڑی اور بالآخر اُس کی شکست فاش ہوئی اور دوسری طرف حق کے علمبرداروں کی جیت ہوئی ہے۔ اللہ فلسطینیوں کی غیبی مدد فرمائے، یہاں تک کہ انہیں فتح مبین حاصل ہو جائے۔ آمین! یارب العالمین بجاہ سید المرسلینؐ! بقول شاعر مشرق علامہ محمد اقبالؒ:

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊

برائے مضمون نگار حضرات

- مجلہ ''المجیب'' کے لئے خالص علمی وادبی مضامین چند شماروں تک قسط وار شائع کئے جاسکتے ہیں۔ باقی شخصیاتی مضامین ملخص کر کے ادارہ کو بھیجیں، بصورت دیگر ادارہ معذرت خواہ ہے۔
- جو بھی مضامین ارسال کریں وہ خالص المجیب کے لئے ہوں، کسی دوسری جگہ نہ بھیجیں، انٹرنیٹ پر ادارہ کی وضاحت کے ساتھ پوسٹ کریں تاکہ مجلے کا معیار برقرار رہ سکے۔
- مضامین کمپوز اور نظر ثانی کے بعد ارسال کریں۔
- مضمون کے پہلے یا آخری صفحہ پر اپنا پورا نام و پتہ ضرور لکھیں۔
- مضامین بھیجتے وقت اس کی نقل اپنے پاس رکھیں، مضامین گم ہونے کی صورت میں ادارے پر اس کی ذمہ داری عائد نہیں ہوگی۔

سرکولیشن منیجر

احکام اسلامی

کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

زید اور عمر دونوں بھائیوں نے اپنی مشترکہ جائیداد آپس میں اس طرح تقسیم کی کہ پہلے ۱۹۹۶ء میں کاروباری پونجی کا بٹوارہ ہوا۔ پھر ۲۰۰۰ء میں دونوں کے پاس جو مشترکہ دکانیں تھیں انہیں بازار کی قیمت لگا کر تقسیم کیا گیا کل چار دکانیں تھیں۔ایک محلہ میں دو دکانیں (ایک سڑک پر اور دوسری اندر کے حصہ میں) زید کے قبضہ میں تھیں۔اسی طرح دوسرے محلہ کی دو دکانیں (ایک سڑک پر اور دوسری اندر کے حصہ میں) عمر کے قبضہ میں تھیں۔زید کی ایک دکان کی مالیت (۲۰۵۰۰۰)، دوسری کی مالیت (۱۲۰۰۰۰)، کل مالیت تین لاکھ پچیس ہزار تھی۔عمر کی ایک دکان کی مالیت (۱۸۰۰۰۰) اور دوسری کی مالیت (۶۵۰۰۰)، کل مالیت دو لاکھ پینتالیس ہزار تھی۔

اس میں زید کی دکانوں کی مالیت عمر کے دکانوں کی مالیت کے مقابلہ میں اسی ہزار (۸۰۰۰۰) زیادہ تھی۔اس وقت یہ طے پایا کہ زید اسی ہزار کی اضافی رقم عمر کو دے گا، اس کے لئے کوئی متعین وقت طئے نہیں کیا گیا کہ کتنے دنوں کے اندر دینا ہے یا فلاں وقت تک نہیں دیا گیا تو اس کی موجودہ قیمت ادا کرنی ہوگی، ایسی کوئی بات طئے نہیں ہوئی تھی۔اس وقت دونوں کے کاروبار اپنی اپنی دکانوں میں اچھے طرح چل رہے تھے۔اس لئے دونوں بھائی اس فیصلہ پر رضامند ہو گئے پھر عمر نے اپنے حصہ کی ایک دکان فروخت کر دی اور اسی علاقے میں ایک دوسری دکان خرید لی۔

۲۰۱۶ء میں جب زید نے کچھ رقم ادا کرنے کے بعد حساب کا کھاتا نکالا تو اس میں ایک جگہ حساب میں سہو کا پتہ چلا، وہ یہ ہے کہ زید کی دکان کی مالیت تین لاکھ پچیس ہزار اور عمر کی دکان کی مالیت دو لاکھ پینتالیس ہزار ہے جس کا مجموعہ پانچ لاکھ ستر ہزار ہو رہا ہے۔اب انہیں دو حصوں میں تقسیم کیا جائے تو ہر فرد کو دو لاکھ پچاسی ملنا چاہئے۔اس اعتبار سے زید اپنی دکان کی مالیت تین لاکھ پچیس ہزار سے اپنا حصہ دو لاکھ پچاسی ہزار نکالے گا تو اس کے پاس صرف چالیس ہزار فاضل بچ رہے ہیں۔اب یہ چالیس ہزار عمر کو دیدیا جائے اور عمر اس چالیس ہزار کو اپنی دکان کی مالیت دو لاکھ پینتالیس ہزار میں شامل کرلے تو اس کے

حصہ میں بھی دولاکھ پچاسی ہزار ہو جائیں گے۔اس طرح دونوں کا حساب برابر ہو جائے گا۔

جب یہ بات عمر کو بتائی گئی کہ آپ کے حصے میں صرف چالیس ہزار نکل رہے ہیں تو وہ اس کو ماننے کو تیار نہیں۔اس کا کہنا ہے کہ ہم اسی ہزار پر تیار ہوئے تھے۔اس لئے ہم کو اسی ہزار ہی چاہئے، حالانکہ یہ بٹوارا اپنی جگہ صحیح ہے اس کو گھٹانے میں سہو ہوا ہے۔واضح ہے کہ عمر اپنے حصہ کی رقم چالیس ہزار میں سے بتیس ہزار روپئے وقفہ وقفہ سے وصول کر چکا ہے۔

اب مزید عمر کا دوسرا دعوی ہے کہ بتیس ہزار رقم کے علاوہ بقیہ اڑتالیس ہزار ہم کو موجودہ بھاؤ کے اعتبار سے ملنا چاہئے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ

(۱) یہ چالیس ہزار والا حساب درست ہے یا اسی ہزار والا؟

(۲) کیا عمر کا حساب کے اس سہو کو ماننے سے انکار کر کے اسی ہزار کا مطالبہ کرنا صحیح ہے اور وہ اس کا واقعی حقدار ہے؟

(۳) کیا وہ ۲۰۰۰ء کے طے کردہ رقم میں سے بقیہ رقم کو موجودہ بھاؤ کے حساب سے مطالبہ کرنے کا حقدار ہے؟

المستفتی
مظہر حسین
کولکاتہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب وھو الموفق للصواب

صورت مسئولہ میں جو تفصیل بتائی گئی ہے اس کے مطابق چاروں دکانوں کی مجموعی مالیت پانچ لاکھ ستر ہزار ہوتی ہے، اس کو دونوں بھائیوں پر برابر سے تقسیم کر دیا جائے تو ہر ایک کے حصے میں دولاکھ پچاسی ہزار آرہے ہیں۔اس میں سے عمر کے دکانوں کی مالیت دولاکھ پینتالیس ہزار کم کر دی جائے تو چالیس ہزار باقی رہتے ہیں، یہ چالیس ہزار روپئے عمر کو ملنا چاہئے، اسی ہزار والا حساب غلطی پر مبنی ہے جو سہواً ہو گیا ہے۔اس لئے

(۱) عمر کا حصہ چالیس ہزار ہے۔

(۲) عمر کا مطالبہ درست نہیں ہے۔عمر کو چالیس ہزار ملنا تھا، جس میں سے جیسا کہ سوالنامہ میں ہے بتیس ہزار وہ لے چکے ہیں، اب ان کا زید کے ذمہ آٹھ ہزار باقی ہے۔

(۳) سن ۲۰۰۰ء سے عمر کے چالیس ہزار روپئے زید کے ذمہ قرض تھے، قرض کے سامان یا نقد میں قیمت کے بڑھنے یا کم ہونے کا اعتبار نہیں ہوتا، جو پہلے لازم ہوا تھا وہی لازم رہتا ہے خواہ اس کی مالیت زیادہ ہو جائے یا کم ہو جائے۔اس لئے ادائیگی کے وقت عمر کے لئے زید پر چالیس ہزار ہی لازم ہوں گے، جس میں سے عمر بتیس ہزار لے چکے ہیں تو باقی آٹھ ہزار

لازم ہوں گے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

واذا استقرض رجل من رجل دانق فلوس او دانقین فاقرضه فهو جائز. فان رخصت او غلت فانما علیه مثل العدد الذی اخذ، لیس علیه اکثر من ذلك او اقل—(کتاب الاصل للامام محمد، باب البیع فی الفلوس والشراء ۱۷/۳)

وان استقرض دانقا فلوسا او نصف درهم فلوس فرخصت او غلت لم یکن علیه الا مثل عدد الذی اخذ لان الضمان یلزمه با لقبض، والمقبوض علی وجه القرض مضمون بمثله. وکذلك لو قال: اقرضنی دانق حنطة فاقرضه ربع حنطة فعلیه ان یرد مثله باعتبار القبض، ولامعتبر بتسمیة الدانق فیه، وکذلك لو قال: اقرضنی عشرة دراهم بدینار فاعطاه عشرة دراهم فعلیه مثلها، ولاینظر الی غلاء الدراهم ولا الی رخصها، وکذلك کل مایکال او یوزن فالحاصل وهو ان المقبوض علی وجه القرض مضمون بالمثل—(المبسوط للسرخسی، باب بیع الفلوس ۳۵۴/۱۶، کذا فی رد المحتار، فصل فی القرض)

المجیب

بدر احمد مجیبی

۱۵؍شعبان المعظم ۱۴۴۶ھ

دارالافتاء خانقاہ مجیبیہ

پھلواری شریف

توجہ طلب

سہ ماہی مجلہ ''المجیب''، میں شائع ہونے والے مضامین میں حسب ضرورت تلخیص اور الفاظ وتراکیب کی تصحیح کرنی پڑتی ہے۔

اہل قلم حضرات کی خدمت میں مؤدبانہ گزارش ہے کہ وہ اِسے گوارہ فرمائیں۔بصورت دیگر ہماری معذرت قبول فرمائیں—(ادارہ)

نقد وتبصرہ

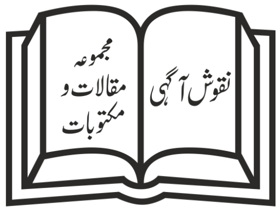

نام کتاب : مسند فقر وارشاد (تاریخ خانوادہ کریمیہ نعیمیہ، سلون) مصنف : پروفیسر سید ظہیر حسین جعفری
صفحات : ۶۲۸ قیمت : گیارہ سو روپئے مبصر : مولانا شاہ بدر احمد مجیبی
طابع : ڈیجیٹل پریس، ۲۹۳۶۔ کلاں مسجد، ترکمان گیٹ، دہلی ۶
ملنے کے پتے: (۱) ایوان ادب پبلشر ۳۰۲۸۔ انصاری اسٹریٹ، ترکمان گیٹ، دہلی ۶
(۲) راہی کتاب گھر، C20 جیوتی کالونی، لونی روڈ، شاہدرہ، دہلی ۳۲

اتر پردیش کے ضلع رائے بریلی میں واقع قصبہ سلون کی اہمیت اس اعتبار سے ہے کہ اس میں ایک قدیم علمی خانقاہ ہے، یہ خانقاہ کریمیہ نعیمیہ کے نام سے معروف ہے۔ چار سو سال سے قائم یہ خانقاہ تصوف وسلوک میں امتیاز کے ساتھ علم وادب کا بھی مرکز رہی ہے۔ اس کے بانی حضرت شاہ پیر محمد سلونی قدس سرہ (م ۱۰۹۹ھ) ہیں۔ یہ سلسلۂ چشتیہ نظامیہ سراجیہ حسامیہ کی خانقاہ ہے۔ حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء قدس سرہ کے ایک خلیفہ حضرت اخی سراج قدس سرہ بنگال کی طرف اسلام کی اشاعت و تبلیغ اور عوام کی اصلاح وتربیت کے لئے بھیجے گئے تھے۔ ان کے ذریعہ بنگال میں کافی تبلیغی کام ہوئے اور اسلام کی اشاعت ہوئی۔ حضرت اخی سراجؒ کے خلیفہ حضرت مخدوم علاء الحق پنڈوی رحمۃ اللہ علیہ ہوئے، (جن کے ایک مشہور خلیفہ حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی کچھوچھویؒ ہیں) ان کے خلیفہ وجانشیں ان کے صاحبزادے حضرت نور قطب عالم پنڈوی رحمۃ اللہ علیہ ہوئے۔ ان کے خلیفہ حضرت مخدوم حسام الدین مانک پوری رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ حضرت حسام الدین مانک پوریؒ کی اولاد میں حضرت شاہ عبد الکریم چشتی مانک پوری رحمۃ اللہ علیہ مشہور شیخ طریقت گزرے ہیں۔ ان کے شاگرد وخلیفہ حضرت شاہ پیر محمد سلونی رحمۃ اللہ علیہ ہوئے۔ حضرت شاہ پیر محمد سلونیؒ کے متعدد مشہور خلفاء تھے، ان میں سے ایک پٹنہ کے حضرت شاہ معز الدین کرجوی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے، جن سے حضرت تاج العارفین شاہ مجیب اللہ قادری قدس سرہ کو سلسلۂ چشتیہ نظامیہ سراجیہ کی اجازت تھی۔

اسی مشہور و معروف خانقاہ کی تاریخ مستند حوالوں کے ساتھ اس ضخیم کتاب میں بیان کی گئی ہے۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اس خانقاہ کے بارے میں تحریر کرتے ہیں۔

سلون رائے بریلی کی ایک تحصیل ہے۔ فاصلہ ۱۹، ۲۰ میل ہے۔ قصبہ نہ تحصیل کی وجہ سے مشہور ہے، نہ کسی اور امتیاز کی وجہ سے۔ اس کی ساری شہرت و عزت اس خانقاہ کی بدولت ہے جس کی بنیاد گیارہویں صدی کے نامور چشتی شیخ حضرت شاہ پیر محمد صاحب سلونی (۱۰۹۹ھ) نے ڈالی۔ اس وقت سے یہ قصبہ چشتی نظامی سلسلہ کا ایک عظیم روحانی مرکز رہا ہے۔ اس خانقاہ کی ایک خصوصیت یہ بھی رہی ہے کہ وہ خانقاہ رشیدیہ جون پور اور خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کی طرح بیک وقت خانقاہ و مدرسہ اور علم و ادب، تجرد و تفرید اور تصنیف و تالیف، تعلق و بے تعلقی اور فقر و غنا دونوں کا مرکز رہا ہے۔۔۔(ص ۲۵۱)

حضرت شاہ پیر محمد سلونی قدس سرہ اپنے وقت کے مشہور و ممتاز شیخ اور جید عالم تھے۔ اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ کے ہم عصر تھے۔ بادشاہ ان کا احترام کرتے تھے۔ بادشاہ نے ایک بار ان کو دہلی آنے کی دعوت دی تو انہوں نے اس کا جواب اپنے مشائخ چشت کی طریقے پر بھیجا۔ انہوں نے بادشاہ کو تحریر کیا۔

”فقیر را ایں حوصلہ نماندہ، ایں دھقانی را بابزم سلطانی چہ کار، گاہے گاہے کس از راہے می آید، در کریم باز است، و کریم ما بے نیاز است، کریمے دارم کہ چوں گرسنہ می شوم مہمانی کند، و چوں می خسپم پاسبانی می کند، و چوں گناہ می کنم مہربانی می کند، کریم ما بس باقی ہوس“۔

مشائخ چشت نے سلاطین وقت سے ہمیشہ دوری رکھی ہے اور دربار سلطانی میں حاضری کو پسند نہیں کیا ہے۔ اسی عزیمت کو حضرت شاہ پیر محمد سلونیؒ نے بھی اختیار فرمایا۔ بقول بیدل ؎

دنیا اگر دہند نہ خیزم ز جائے خویش
من بستہ ام حنائے توکل بپائے خویش

حضرت سلونیؒ (م ۱۶۸۷ء) کے بعد اس خانقاہ چشتیہ کریمیہ میں نامور بزرگان، حضرت پیر محمد اشرفؒ (م ۱۷۵۴ء)، پیر محمد پناہؒ (م ۱۷۷۵ء)، شاہ محمد کریم عطاؒ (م ۱۸۳۳ء)، شاہ محمد پناہ عطاؒ (م ۱۸۶۰ء)، شاہ محمد حسین عطاؒ (م ۱۸۸۰ء)، شاہ محمد مہدی عطاؒ (م ۱۹۰۰ء)، شاہ محمد نعیم عطاؒ (م ۱۹۶۶ء)، شاہ محمد حسین جعفریؒ (م ۱۹۷۹ء) ہوئے۔ شاہان مغلیہ نے خانقاہ کے خرچ کے لئے کافی جاگیریں وقف کی تھیں مگر انگریزی دور شروع ہوا اور ۱۸۵۷ء کی بغاوت میں انگریزوں کی حمایت نہ کرنے کی وجہ سے انگریز حکومت نے وقتی طور پر ان کو ضبط کر لیا تھا۔

حضرت شاہ پیر محمد سلونی قدس سرہ کو ظاہری و باطنی تمام تعلیمات حضرت شاہ عبدالکریم چشتی مانک پوری قدس سرہ سے تھی۔ سلسلۂ چشتیہ کے علاوہ دیگر سلاسل قادریہ، سہروردیہ، نقشبندیہ اور مداریہ کی اجازت بھی ان سے تھی۔ کتاب میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔

بیسویں صدی میں اس خانقاہ میں حضرت مولانا شاہ نعیم عطا چشتی رحمۃ اللہ علیہ بہت مشہور و معروف محدث و صوفی

گزرے ہیں۔ جو ۱۹۰۰ء میں سجادہ نشین ہوئے اور ۱۹۶۶ء میں ان کی وفات ہوئی۔ کتب حدیث کی اجازت شیخ حسین بن محسن انصاری یمنی سے حاصل تھی۔ ان کی اہم علمی تالیفات ہیں جو حدیث، فقہ اور تفسیر سے متعلق ہیں۔ سنن دارمی پر ایک حاشیہ بھی ہے جو مطبوعہ ہے۔ فارسی و اردو ادب سے بھی تعلق تھا، دیوان بھی ہے۔ انہوں نے اپنے بعد اپنے بھانجے حضرت شاہ محمد حسین جعفریؒ کو اپنا جانشین بنایا تھا، اس وقت ان کے بڑے صاحبزادے حضرت شاہ احمد حسین جعفری مدظلہ مسند سجادگی پر ہیں۔

مولف کتاب جناب ڈاکٹر سید ظہیر حسین جعفری ان کے برادر صغیر ہیں، مولف بھی صاحب علم و فضل ہیں، دہلی یونیورسیٹی میں شعبۂ تاریخ میں پروفیسر تھے، اب ریٹائرڈ ہو چکے ہیں اور سلون میں قیام پزیر ہیں۔ تصنیف و تالیف کا اچھا ذوق رکھتے ہیں۔ حضرت شاہ نعیم عطاؒ کی کتابوں کی اشاعت میں کوشاں ہیں، متعدد کتابیں شائع کر چکے ہیں۔

کتاب ''مسند فقر و ارشاد'' جو خانوادہ کریمیہ نعیمیہ سلون کی مکمل تاریخ ہے، ۲۰۰۳ء میں پہلی بار شائع ہوئی۔ اب کافی اضافہ اور جدید ترتیب کے بعد ۲۰۲۳ء میں اس کو شائع کیا گیا ہے۔ کتاب میں خانقاہ کے متعلق تمام چیزوں کو جمع کر دیا گیا ہے۔ مختلف اہل علم کے مضامین ہیں، کچھ عناوین درج ذیل ہیں۔

سلون مشرقی تہذیب کے چاک پر چڑھی ایک بستی (نقی حسین جعفری)، مقدمہ دیوان عزلت (عبد الرزاق قریشی)، حالات خاندان حسامی کریمی پیرزادگان سلون (سید عبد اللہ قیس کڑوی) حضرت شاہ پیر محمد سلونی کے ملفوظات و مکتوبات (شاہ احمد حسین جعفری)، بارگاہ سلون (خواجہ حسن ثانی نظامی)، شاہ پیر محمد سلونی اور ان کی خانقاہ (حسن واصف عثمانی)، قصبہ سلون کا خاندان کریمی (حضرت شاہ مہدی عطاؒ)، خانقاہ کریمیہ سلون کی عمارتوں پر تاریخی کتبے (صفی حسین جعفری)، میری محسن کتابیں (حضرت شاہ حلیم عطاؒ)، مولانا شاہ حلیم عطا سلونیؒ (از پرانے چراغ۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ)

شاہی و نوابی عہد کے فرامین، خاندانی قبالہ جات وغیرہ بھی اس کتاب میں نقل کر دئے گئے ہیں بلکہ بعض کی فوٹو کاپیاں بھی دیدی گئی ہیں، ایک حصہ بزرگان کے منظوم کلام سے متعلق بھی ہے۔ جن میں حضرت شاہ حسین عطا اشرفیؔ، حضرت شاہ مہدی عطا مہدیؔ، حضرت شاہ نعیم عطا نعیمؔ کے عربی، فارسی اور اردو کلام ہیں جو نعتوں، منقبتوں، معراج نامہ، میلاد نامہ وغیرہ پر مشتمل ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ کتاب ''مسند فقر و ارشاد'' قصبہ سلون اور خانقاہ کریمیہ نعیمیہ کے بارے میں ایک تفصیلی جائزہ اور مکمل تاریخ ہے۔ خانقاہ کریمیہ کی تاریخ سے واقفیت چاہنے والوں کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ اس کتاب سے خانقاہ پر تحقیق کرنے والوں کو مزید دستاویزات اور دیگر تاریخی مواد تک رسائی حاصل ہو سکے گی۔ کتاب بہترین کاغذ اور عمدہ جلد کے ساتھ اچھی طباعت سے آراستہ ہے۔ ہم مولف کتاب جناب پروفیسر سید ظہیر حسین جعفری صاحب کو اس کی اشاعت پر مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالی اس کو قبولیت عطا فرمائے اور خانقاہ کریمیہ نعیمیہ سلون کو قائم و دائم رکھے۔

❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊

قند پارسی

● حضرت مولانا حافظ شاہ شہاب الدین ثاقبؔ قادری پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ

در گوشِ دل زغیب ندامی دہد سروش ۞ غافل مشو ہمیشہ باسرار حق بکوش
اے مرد راہ عشق بہ صبر و رضا بکوش ۞ اہل کمال باش کہ عزت کند سروش
در قیل و قال مدرسہ باشی چہ مبتلا ۞ اسرار علمِ معرفتِ حق ببیں بکوش
خواہی اگر نجات دریں نکتہ کن نظر ۞ از عاقلاں بہ بگذرو با جاہلاں خموش
از آب تیغ لطف و کرم غیظ را بکش ۞ نقصان را حقیر مبیں، عیب را بپوش
ہرگز زباں دراز و سخن چیں بکس مباش ۞ باشی سخن پزیر و سخنور، سخن نیوش
در مکر و حیلہ کس نہ نما سبز باغ خویش ۞ گندم نمائے خلق فریب است جو فروش
ضایع مکن بعمر گراں مایہ وقت را ۞ اے راہ رَو ہمیشہ بکش رخت خود بدوش
با مار آستین و حریفان روزگار ۞ ہرگز مزن بہم دگراں دست خود بدوش
از خوئے نیک دار مدارات دشمنان ۞ با ہم ہمیشہ جامِ محبت بکش بجوش
زانو بہ پیش تجربہ کاران تہ بکن ۞ با اہل دل نشین و نصیحت شنو ز گوش
تدبیر کار کن کہ بہ آید نتیجہ ش ۞ با قوتِ فراست و عقل سلیم و ہوش

ثاقبؔ زسوئے مبدأ تدبیر خلق و رزق
غفلت مکن مشو بمحض عیش و خورد و نوش

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

نعت شریف

- حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا قدس اللہ سرہ العزیز
- ترجمۂ منظوم: مولانا محمد فصیح الدین عاصم قادری — خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف

نعت شریف

صبا بسوئے مدینہ روکن ازایں دعا گو سلام برخواں
بہ گرد شاہ مدینہ گرد و بصد تضرع پیام برخواں

بشو زمن صورت مثالی نماز بگذار اندر آنجا
بہ لحن خوش سورت محمد تمام اندر قیام برخواں

بہ باب رحمت گہے گذر کن بباب جبریل گہہ جبیں سا
سلام ربی علی نبی گہے بباب السلام برخواں

بنہ بہ چندیں ادب طرازی سر ارادت بخاک آں کو
صلاۃ وافر بہ روح پاک جناب خیر الانام برخواں

بہ لحن داؤد ہم نوا شو بہ نالہ و درد آشنا شو
بہ بزم پیغمبر ایں غزل راز عبد عاجز نظامؒ برخواں

ترجمۂ منظوم

صبا تو سوئے مدینہ رخ کر، مرے نبی پہ سلام پڑھ آ
تو گرد شاہِ مدینہ پھر کر، بصد تضرع پیام پڑھ آ

مری تو صورت میں جا کے اس جا نماز ادا کر تو نیز جس میں
بہ لحن خوش سورتِ محمد مکمل اندر قیام پڑھ آ

تو باب رحمت پہ سر جھکا کر، جبیں کو مل کر بباب جبریل
تو نیز باب السلام سے بھی نبی پہ رب کا سلام پڑھ آ

تو ان کی خاک گلی پہ اپنا سرِ عقیدت ادب سے رکھ کر
صلاۃ بے حد بروح پاکِ جناب خیر الانام پڑھ آ

تو ہم نوا ہو بہ لحن داؤد، پھر کسی دن تو سوز دل سے
بہ بزم پیغمبر اس غزل کو مری تو بہرِ نظامؒ پڑھ آ

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

غزل

● وارث ریاضی — کاشانۂ ادب، سکٹا دیوراج، بسوریا، مغربی چمپارن

الٰہی! یہ کیا ماجرا ہو گیا؟ ۞ کہ رند ازل پارسا ہو گیا
یہ کیا حالت زار ہے حسن کی؟ ۞ کہ وہ بے وفا، باوفا ہو گیا
چلا ہوں جو میں لامکاں کی طرف ۞ تو فردوس تک راستہ ہو گیا
یہی تو ہے افلاس کی زندگی ۞ کہ ہر ناروا اب روا ہو گیا
خدا کو بھی دنیا میں دیکھوں گا میں ۞ مرا دل اگر آئینہ ہو گیا
زمانہ ہے دشمن تو کچھ غم نہیں ۞ خدا بھی تو مجھ سے خفا ہو گیا
یہی غم ستاتا ہے آٹھوں پہر ۞ محبت کا اب خاتمہ ہو گیا
وہ دنیا میں تنہا مجھے چھوڑ کر ۞ نہ جانے کہاں لاپتا ہو گیا

یہ لطف خدا ہے کہ وارث حسن (۱)
فدائے رسول خدا ہو گیا

* * * * * * * * * *

(۱) اصل نام

کوائف وحالات

● ادارہ

راز ونیاز بلبل وگل ہم سے پوچھئے ❖ نرگس کی آنکھ بن کے رہے ہیں چمن میں ہم

کچھ اپنی..............................کچھ دوسروں کی

مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی کی وفات:

ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ناظر عام اور حضرت مولانا سید واضح حسنی ندوی کے صاجزادے جناب مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی ایک ایکسیڈنٹ میں جاں بحق ہو گئے۔ ۱۵؍جنوری ۲۰۲۵ء مطابق ۱۴؍رجب المرجب ۱۴۴۶ھ کو یہ خبر اچانک آئی، دل قبول کرنے کو آمادہ نہیں ہو رہا تھا مگر تقدیر الٰہی کے سامنے کس کی چلتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور درجات بلند فرمائے۔

مولانا جعفر مسعود صاحب نے ندوۃ العلماء کے ناظر عام ہونے کے بعد دو سال میں پورا انتظام بہتر انداز میں سنبھال لیا تھا، وہاں کے اساتذہ وطلبہ سب ان سے مطمئن تھے۔ بہت سوجھ بوجھ کے مالک تھے۔ نیک طبیعت، سادہ مزاج اور ملنسار تھے۔ ان کی عربی اور اردو تحریریں شوق سے پڑھی جاتی تھیں۔ ان کے مضامین کا مجموعہ بھی شائع ہوا ہے۔ کتابوں کے ترجمے بھی کئے ہیں۔ ندوۃ العلماء اور حسنی خاندان کے لئے یہ بڑا الم انگیز حادثہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

مولانا شاہ مصطفےٰ رفاعی قادری جیلانی کی وفات:

جناب مولانا سید شاہ مصطفی رفاعی قادری ندوی طویل علالت کے بعد آج رخصت ہوئے۔ مولانا ممتاز عالم اور سلسلہ رفاعیہ کے شیخ طریقت تھے، ان کا وسیع حلقۂ طریقت تھا۔ اس کے ساتھ ملت کے کاموں میں سرگرمی سے ان کی شرکت رہتی۔ وہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے فارغ، مجلس انتظامی ندوۃ العلماء کے رکن، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے رکن اساسی، آل انڈیا ملی

کاونسل کے نائب صدر اور مختلف ملی تنظیموں اور اداروں کے رکن و سرپرست تھے۔

مولانا شاہ مصطفی رفاعی انتہائی سادہ مزاج، سادہ طبیعت اور متواضع صفات کے حامل تھے۔ سیاہ پوشی اور کم خوراکی میں معروف تھے۔ ان کے والد ماجد خانقاہ رفاعیہ بنگلور کے شیخ طریقت تھے، والد محترم کی وفات کے بعد ان کے جانشیں ہوئے۔ ملی کاموں کے لئے کثرت سے سفر کرتے تھے۔ عوام الناس کو وعظ و نصیحت کرتے تھے۔

اپنے پروگرام کے سلسلے میں پھلواری شریف بارہا تشریف لائے ہیں، حضرت مولانا سید شاہ آیت اللہ قادری مدظلہ العالی سجادہ نشیں خانقاہ مجیبیہ سے ملاقات کے لئے خانقاہ مجیبیہ بھی تشریف لاتے۔ کچھ کتابیں بھی تالیف کی ہیں۔ سلسلہ رفاعیہ کے بانی حضرت سیدنا احمد کبیر رفاعی قدس سرہ کے حالات پر بھی ان کی ایک کتاب ہے۔ ان کا سلسلہ رفاعیہ سے تعلق تھا مگر وہ نسباً قادری تھے۔ کئی مہینوں سے علالت کی خبر آرہی تھی، آخر اللہ تعالی نے اپنے جوار رحمت میں بلالیا۔ اللہ تعالی بلند درجات عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل سے نوازے۔

جناب پروفیسر سید شمیم احمد قادری امانی کی وفات:

۲۱ر شعبان المعظم ۱۴۴۶ھ مطابق ۲۰ر فروری ۲۰۲۵ء جمعرات کو سہ پہر میں جناب پروفیسر سید شمیم احمد صاحب نے انتقال کیا۔

موصوف کرائے پرسرائے کے سادات خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور جناب سید محمد احمد صاحبؒ (بیت الامان، شریف کالونی، مصلح پور، پٹنہ) کے بڑے صاحبزادے تھے۔ امان المستجیرین حضرت مولانا سید شاہ محمد امان اللہ قادری قدس سرہ سے بیعت تھے۔ ریاض، جیزان اور جدہ کی یونیورسٹیوں میں عرصہ تک انگلش کے پروفیسر رہے۔ بعد میں واپس ہندوستان چلے آئے تھے اور پٹنہ سیٹی کے اپنے مکان میں قیام پزیر تھے۔ خانقاہ مجیبیہ سے گہرا تعلق تھا، انگلش میں حضرت تاج العارفین شاہ مجیب اللہ قدس سرہ کے حالات پر ایک کتاب تحریر کی تھی جو مطبوعہ ہے اور اپنے والد ماجد جناب سید محمد احمد قادری کے حالات پر اہل علم اور اپنے اعزہ کے مضامین جمع کئے تھے جو"علم و آگہی کی ایک شمع فروزاں" کے نام سے کتابی صورت میں شائع ہوئے۔ بڑے ذی علم اور حسن اخلاق و تواضع و انکساری کا نمونہ تھے۔ خانقاہ مجیبیہ میں ۲۲ر شعبان ۱۴۴۶ھ کو بعد نماز جمعہ حضرت صاحب سجادہ مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ خانقاہ کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ اللہ تعالی مغفرت فرمائے اور اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ پس ماندگان میں اہلیہ کے علاوہ ایک صاحبزادی اور تین صاحبزادے ہیں۔

جناب اخلاق احمد قادری کی وفات:

۱۲ر رجب المرجب ۱۴۴۶ھ مطابق ۱۳ر جنوری ۲۰۲۵ء کو جناب اخلاق احمد قادری کا انتقال ہوگیا، موصوف پھلواری

شریف کے خاندان قادریہ سے تعلق رکھتے تھے جو حضرت سید شاہ قمیص اعظم قادری رحمۃ اللہ علیہ (سادھورا، انبالہ) کی اولاد میں ہے۔اخلاق قادری صاحب نے اپنے دادا جناب شاہ عبدالرزاق قادریؒ اور والد شاہ فضل احمد قادریؒ کی طرح تاحیات خانقاہ کی خدمت انجام دی۔اپنے بزرگوں کی خدمت میں بھی کمربستہ رہتے۔اخلاق، انکساری وتواضع ان کی خاص صفات تھیں۔مختلف سماجی تنظیموں سے بھی تعلق تھا۔دوسرے روز ظہر کی نماز کے بعد خانقاہ مجیبیہ میں حضرت صاحب سجادہ مولانا شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی نے نماز جنازہ پڑھائی اور خانقاہ کے قبرستان میں تدفین ہوئی۔پس ماندگان میں چھ صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں ہیں۔اللہ تعالی مغفرت فرمائے اور درجات بلند کرے۔

مہا کنبھ میلہ:

پریاگ راج (الہ باد) میں کنبھ کا میلہ چل رہا ہے۔برادران وطن کا یہ اہم میلہ ہے جو بارہ سال کے بعد لگتا ہے اور اپنے عقیدے کے مطابق یہ لوگ دریاؤ جمنا کے سنگم میں اشنان کرتے ہیں اور ڈبکی لگاتے ہیں، جس سے یہ اپنے سارے پاپ دھو لیتے ہیں۔حکومت کے اشارے پر میڈیا نے اس کو ۱۴۴سال کے بعد لگنے والا خاص میلہ بتایا ہے،جس کی وجہ سے بے انتہاء بھیڑ جمع ہو رہی ہے۔روزانہ لاکھوں افراد آرہے ہیں اور ڈبکی لگا رہے ہیں۔حکومت کی طرف سے بے حد وسیع پیمانے پر اس علاقے میں انتظام کیا گیا ہے،مختلف صوبوں سے اس کے لئے اسپیشل ٹرینیں چلائی گئی ہیں۔اس کے باوجود اس طرف سے گزرنے والی تمام ٹرینیں کھچا کھچ بھری ہوئی ہیں۔دوسرے مسافر بے حد پریشان ہیں۔سفر کرنا دشوار ہو رہا ہے۔بھیڑ کی کثرت کی وجہ سے اس علاقے میں ایک سے زائد بار بھگدڑ مچ چکی ہے جس سے سینکڑوں یا ہزاروں یاتری دست اجل کا شکار ہوئے ہیں۔

حکومت اس کی تیاری اور انتظامات میں کروڑوں بلکہ اربوں روپئے خرچ کر رہی ہے،کنبھ میلہ جانے والے ٹرینوں میں بغیر ٹکٹ سفر کرتے ہیں، ان کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ان کو مزید ہر طرح کی سہولیات دی جارہی ہیں۔متعدد ٹرینوں کے اے سی ڈبے مسافروں نے بند کردئے تو ان کی کھڑکیوں کے شیشے توڑ دئے گئے۔یہ سب انتظامات وسہولیات کے لئے حکومت اربوں روپئے خرچ کر رہی ہے، حالانکہ یہ سیکولر ملک ہے اور کنبھ میلہ مذہبی معاملہ ہے،ایک مخصوص مذہب کے لئے یہ تمام انتظامات کئے جارہے ہیں اور مسلمانوں کے حج کے سفر میں ایک عرصہ سے دی جانے والی مختصر سب سڈی بھی بند کردی گئی ہے اور وقف کی املاک پر قبضہ کی پوری تیاری ہے۔

دارالعلوم مجیبیہ میں سالانہ امتحان اور تعطیل کلاں:

دارالعلوم مجیبیہ میں ۹ر شعبان المعظم سے ۱۲ر شعبان المعظم تک تمام درجات کے امتحانات بحسن وخوبی انجام پائے۔

اس کے بعد ۱۳ر شعبان المعظم سے ۱۱ر شوال المکرم تک رمضان المبارک کی طویل چھٹی میں دارالعلوم مجیبیہ بند کر دیا گیا۔ ۱۲ر شوال المکرم سے تعلیم وتدریس کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ مقامی و بیرونی طلبہ کا داخلہ ۲۵ر شوال المکرم تک جاری رہے گا۔

معمولات خانقاہ بماہ رمضان المبارک:

عرس حضرت مولائے کائنات سیدنا امیر المؤمنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ۔ ۲۰ر رمضان المبارک کو بعد نماز ظہر زیارت موئے مبارک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وموئے مبارک علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ۔ ۲۰ر دن گزار کر شب ۲۱ر کو قل اور مجلس ہوتی ہے۔

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

شرح اشتہار

سہ ماہی مجلہ المجیب

دنیائے علم وادب کا مقبول عام سہ ماہی مجلہ "المجیب" خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ کا ترجمان — ایک دینی، علمی وادبی مجلہ ہے جو کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ ملک و بیرون ملک ہر جگہ اس رسالہ کو غیر معمولی مقبولیت حاصل رہی ہے۔ یہ رسالہ علماء، ادباء، معلمین و متعلمین، افسران وعہدہ داران بلکہ ہر خاص وعام کے ذوق مطالعہ میں رہتا ہے — اور ہر طبقہ وجماعت کے لوگ اس سے استفادہ کرتے ہیں۔

لہٰذا باذوق تاجرین اور تنظیم وتحریک کے مالکان سے پرخلوص گذارش ہے کہ اس مقبول ترین رسالہ میں اپنا اشتہار دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیں — اور اپنے نام و پتہ کے ساتھ پیشگی رقم ارسال فرمائیں۔ اشتہارات کی تفصیل حسب ذیل ہے :

ملٹی کلر اشتہار

پشت سرورق	مکمل صفحہ	5,000/-	نصف صفحہ	2,500/-	چوتھائی صفحہ	1,250/-
اندرون سرورق	مکمل صفحہ	4,000/-	نصف صفحہ	2,000/-	چوتھائی صفحہ	1,000/-

سادہ اشتہار

اندرون مجلہ	مکمل صفحہ	3,000/-	نصف صفحہ	1,500/-	چوتھائی صفحہ	750/-

خواہش مند حضرات اپنے اشتہارات کے ساتھ پیشگی رقم ادارہ کو پہلی فرصت میں مرحمت فرمائیں تاکہ ان کے آرڈر کو حتمی شکل دی جاسکے۔

PhonePe & GPay : +91-7250433562

دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ کی موجودہ چند اہم مطبوعات

رابطہ : +91-9942000618, 0612-3181835

ISSN 2320-8600 The ALMUJEEB Quarterly

Vol.No.:65 — January, February & March 2025 — Sl.No.:01

The only most widely circulated Urdu Quarterly of Bihar

Darul Esha'at Khanquah Mujeebia, Phulwari Sharif, Patna - 801505 Bihar (INDIA)

Cell : +91-9942000618, 0612-3181835, E-mail : almujeebquarterly@gmail.com, http://khanquahmujeebia.org

دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کی تازہ ترین پیش کش !

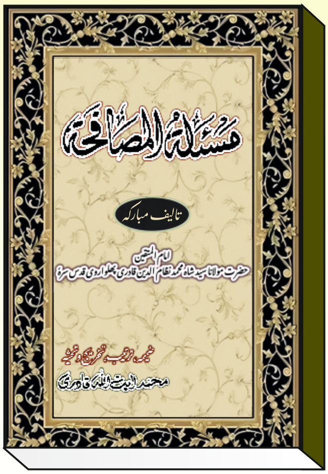

مسئلۃ المصافحہ

تالیف مبارکہ

امام المتقین حضرت مولانا سید شاہ محمد نظام الدین قادری پھلواروی قدس سرہ

ضمیمہ، ترتیب، تخریج وتحشیہ

جناب حضور مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی

زیب سجادہ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ

مصافحہ کے موضوع پر امام المتقین حضرت مولانا سید شاہ محمد نظام الدین قادری قدس سرہ کا ایک مختصر لیکن نہایت جامع اور مدلل رسالہ ہے جس میں حضرت مصنف قدس سرہٗ نے مصافحہ کے ثبوت خصوصاً مصافحہ بعد نماز فجر وعصر کے جواز پر شرح و بسط کے ساتھ گفتگو کی ہے اور متعدد احادیث و آثار سے اوقات مبینہ میں مصافحہ کو نہ صرف ثابت کیا ہے بلکہ عام مصافحہ سے افضل قرار دیا ہے۔ پھر موضوع کی مناسبت سے مسئلۂ دست بوسی کو بھی احادیث کی روشنی میں واضح کیا ہے۔ رسالہ کی اہمیت کی خاطر طبع جدید کا ارادہ ہوا تو زیب سجادۂ مجیبی جناب حضور مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی نے ترتیب وتخریج اور حاشیہ نگاری سے رسالہ کو مزید مفید ومزین کرنے کے علاوہ اپنے راہوار قلم سے گراں قدر ضمیمہ کا اضافہ بھی فرمایا ہے جس میں دست بوسی وقدم بوسی پر نہایت مفصل بحث کی گئی ہے اور حدیث وفقہ کے مستند ومعتبر حوالوں سے اپنے مدعا کو مدلل ومبرہن کیا ہے۔ نیز خانوادۂ مجیبیہ کے گل سرسبد معروف عالم دین حضرت مولانا مفتی بدر احمد مجیبی مدظلہ کی گراں قدر تحریر ''حرفے چند'' کے تحت شامل کتاب ہے۔

۹۶ر صفحات پر مشتمل یہ تصنیف لطیف حسن ترتیب، عمدہ وقیمتی کاغذ سے مزین، خوبصورت ڈیزائن اور دیدہ زیب طباعت کے ساتھ شائع ہو کر منظر عام پر آگئی ہے۔ خواہش مند حضرات **170/-** روپے میں دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ سے حاصل کر کے استفادہ کر سکتے ہیں۔

رابطہ : +91-9942000618, 0612-3181835

Edited by Dr. Shah Fatahullah Quadri; published by Syed Mohammad Minhajuddin Quadri on behalf of Mujeebia Educational & Welfare Trust; published from Darul Esha'at, Khanquah Mujeebia, Phulwari Sharif, Patna - 801505, Bihar (India); and printed at Pakiza Offset Press, Dargah Road, Patna - 800006